33

شمارہ ۱(۲)؛

رابطۂ ادب اسلامی (عالمی) کا سہ ماہی اردو ترجمان

کاروانِ ادب

دوسرا شمارہ۔ جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء
مطابق محرم الحرام، صفر، ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(بشمول منتخب مقالاتِ مذاکرۂ علمی "حدیثِ نبوی کی ادبی خصوصیات")

زیرِ سرپرستی

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

ناشر

مرکزی دفتر رابطۂ ادبِ اسلامی (عالمی)

پوسٹ بکس ۹۳، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ہندوستان

SAMPLE PUBLICATION

کاروانِ ادب

(اردو سہ ماہی رسالہ)

سرپرست اعلیٰ : مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صدر رابطۂ ادب اسلامی (عالمی)
مجلس مشاورت : مولانا محمد ناظم ندوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی علی گڑھ، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی دہلی۔
پروفیسر عبداللہ عباس ندوی مکہ مکرمہ، پروفیسر عبدالحلیم ندوی دہلی۔
پروفیسر حبیب الحق ندوی جنوبی افریقہ، پروفیسر ابوالخیر کشفی۔
پروفیسر تحسین فراقی، مولانا محمد سلطان ذوق ندوی۔
مدیر مسئول : مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم شعبۂ برصغیر۔
مجلس ادارت: ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی جے۔ این۔ یو۔ دہلی۔
ڈاکٹر سید ضیاء الحسن ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔
ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ندوی بی۔ ایچ۔ یو۔ بنارس۔
مولانا نذر الحفیظ ندوی لکھنؤ۔
معاون انتظامی: اقبال احمد ندوی۔
معاون طباعت: محمد غیاث الدین ندوی۔
کتابت : ظہیر احمد کاکوروی۔
طباعت : لکھنؤ پبلشنگ ہاوس (آفسٹ) لکھنؤ۔

شرح چندہ: سالانہ برائے ہندوستان ایک سو پچاس ۱۵۰ روپے (فی شمارہ چالیس ۴۰ روپے)
" " پاکستان و بنگلہ دیش تین سو ۳۰۰ روپے یا دس ۱۰ ڈالر امریکی۔
" " ان کے علاوہ دیگر ممالک چار سو ۴۰۰ روپے یا بارہ ۱۲ ڈالر امریکی۔

پتہ :۔ **صدر دفتر رابطۂ ادب اسلامی (عالمی)**
پوسٹ بکس ۹۳ (ندوۃ العلماء) لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۷، یو پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

(سہ ماہی مجلہ "کاروانِ ادب" شمارہ دوم، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۴ء)

۱۔ گذارشِ اوّلیں:

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا — مولانا محمد رابع حسنی ندوی — ۵

مضامین

۱۔ اسلامی ادب میں تنقید کا معیار — پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی — ۹

۲۔ اسلامی ادب کی تخم ریزی — مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۱۶

۳۔ ادب و مذہب (عالمی شہ پاروں کا تنقیدی مطالعہ) — پروفیسر حبیب الحق ندوی — ۲۶

عکس فن

۱۔ خطبۂ طارق بن زیاد ادب کے آئینہ میں — پروفیسر ضیاء الحسن ندوی — ۳۸

۲۔ طارق کی دعاء شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے الفاظ میں — 〃 〃 — ۴۳

۳۔ مکھی کا غرور — مصطفےٰ صادق رافعی — ۴۴

منظومات

۱۔ غزل بہ رنگِ میر — پروفیسر نثار احمد فاروقی — ۴۷

۲۔ مقدس ہاتھ — رضوان اللہ فاروقی — ۴۸

روداد مذاکراتِ علمی

۱ ۔ روداد سمینار بنگلہ دیش (مشرقی اقوام کے زبان و ادب میں اسلامی رجحانات) ادارہ ۴۹

۲ ۔ روداد سمینار بنارس (حدیث شریف کی ادبی و فنی خصوصیات) 〃 ۵۵

منتخب مقالات ۶۱

از مذاکرۂ علمی "حدیث شریف..." منعقدہ بنارس

۱ ۔ حرفِ آغاز: حدیث شریف کی ادبی و فنی خصوصیات　مولانا محمد رابع حسنی ندوی ۶۳

۲ ۔ مگر یہ حرف شیریں ترجماں..... (خطبۂ صدارت)　مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ۶۸

۳ ۔ اسلامی ادب　مولانا ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ۹۰

۴ ۔ مسنون دعاؤں میں ادب کی جلوہ گری　مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ۹۵

۵ ۔ رسول اکرم کی فصاحت و بلاغت　〃 ضیاء الدین اصلاحی ۱۱۹

۶ ۔ احادیثِ نبوی کا ادبی مقام و مرتبہ　〃 اسیر ادروی ۱۲۸

۷ ۔ احادیثِ نبوی کے ادبی محاسن　〃 عبدالوہاب خلجی ۱۳۹

۸ ۔ حدیثِ نبوی کی ادبی حیثیت　پروفیسر محمد راشد ندوی ۱۴۴

۹ ۔ سرکار دو عالم کا حسنِ کلام　ڈاکٹر سید عبدالباری ۱۵۵

۱۰ ۔ حدیثِ نبوی کا ادبی مطالعہ　〃 محمد اقبال حسین ندوی ۱۶۹

۱۱ ۔ جوامع الکلم کی ادبی و فکری معنویت　مولانا شمس تبریز خاں ۱۸۳

۱۲ ۔ کلام نبوت میں انسانی جذبات کی عکاسی　فضل الرحمٰن انصاری ۱۹۵

شعری حصہ

۱ ۔ أدب الحديث الشريف (عربی نظم)　پروفیسر ابو محفوظ الکریم معصومی ۲۰۴

۲ ۔ 〃 〃 〃 (منظوم اردو ترجمہ)　〃 ضیاء الحسن ندوی ۲۰۵

۳ ۔ حدیث محمد مصطفٰے　ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی ۲۰۶

ادبی انعامی مقابلہ ۲۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارش اوّلیں :

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

"کاروانِ ادب" کا یہ دوسرا شمارہ ہے، اس میں ادب کے موضوع سے تعلق رکھنے والے ادب و نقد کی نگارشات کے ساتھ ساتھ کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ادبی خصوصیات پر منعقدہ مذاکرۂ علمی کے منتخب مقالات بھی دیئے جا رہے ہیں، اس کے بعد کے شمارہ میں انشاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیاز مندوں کے نذرانۂ عقیدت یعنی نعت نبوی شریف کے مقالات کو لیا جائے گا۔

اس طرح پر یہ مجلہ عموماً دو پہلوؤں پر مشتمل رہا کرے گا، ایک مجلہ کے مزاج و معیار کے مطابق مضامین و نگارشات، دوسرے رابطۂ ادب اسلامی کے تحت منعقد کئے گئے کسی مذاکرۂ علمی کے مقالات کا انتخاب۔ امید ہے کہ اس طرح رابطہ کے کام کے دونوں پہلوؤں کی نمائندگی ہو گی۔

رابطۂ ادب اسلامی اور اس کے مجلہ کا موضوع ادب اور ادب کے اور اسلام کے مابین تعلق سے وابستہ ہے، اور ادب کا اسلام سے تعلق کوئی محدود حقیقت نہیں ہے۔

ادب اسلامی ایک مکمل اور زندگی سے بھرپور ادب ہے، وہ عام دلچسپی اور قدردانی کا مستحق ہے، اس کے ذریعہ ایک طرف ذوق ادب کی تسکین کا سامان مہیا ہوتا ہے، دوسری طرف فطرت سلیمہ کے مطابق زندگی کا ایک جائز اور ضروری تقاضا بھی پورا ہوتا ہے۔

کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ ادب کے ساتھ اسلامی کیوں؟ ادب ایک آزاد فن ہے، اس کو

کسی بھی شکل میں پابند سلاسل کیوں کیا جائے؟ اس پر اسلامی کی قید کیوں لگائی جائے؟

ادب کا میدان کار، ہمارے اردگرد کا یہ عالم، ہماری متنوع زندگی اور پھر خود ہماری ذاتی شخصیت ہے، یہ تین کارگاہیں ہیں، ان کی اہمیت وحقیقت کے بارے میں انسانوں کے تصورات مختلف ہیں، اور اس اختلاف کی اساس خدا، کائنات، اور زندگی کے بارے میں انسانوں کے تصورات کا اختلاف ہے، مذہب کے حامل لوگوں کے تصورات علٰحدہ اور مذہب سے باغی لوگوں کے تصورات علٰحدہ ہیں، دنیا پر جب سے یورپ کے صنعتی اور فکری انقلاب اور فلسفوں اور افکار کا اثر پڑا، متمدن دنیا کے ذہن میں ایک خاص تبدیلی آئی، یورپ مذہب سے باغی ہوا تو اس نے اپنے اثر وطاقت سے تصورات کی مذہبی اساس کو بہت نقصان پہونچایا، اور طرح طرح کے آزاد فلسفے اور نظریئے پیدا کئے جو نہ تو ہمارے مذہبی تصورات سے ہم آہنگ تھے اور نہ ہمارے مشرقی ذہن سے، جب خدا، کائنات اور انسان کے بارے میں خیالات میں تبدیلی آئی تو فطری طور پر ادب میں جس کا دائرۂ عمل انہی سے متعلق ہے، تبدیلی آئی، اور اس میں طرح طرح کے نظریئے وجود میں آئے، جن کا سرا خدا، کائنات اور انسان کے بارے میں یورپ کے ملحدانہ تصورات سے ملتا ہے، اس طرح موجودہ دنیا پر یورپ کے سیاسی اور فکری تسلط کے نتیجہ میں ادب وثقافت کی قدروں میں تبدیلی کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہوا جس سے بہت سے خاکے ٹوٹ گئے، اور نئے خاکے بنے، اور ادباء نے اپنے نئے نئے گھروندے بنائے، جو کلاسیکیت اور اس کے بعد رومانیت اور متعدد نظریات سے گذرتے ہوئے، جدیدیت کی نئی شکلوں کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے، ان کے سلسلہ میں ہم جو بھی رائے قائم کریں لیکن ہمارے مشرق کو اور خاص طور پر مسلمانوں کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ادب کے اسالیب اختیار کرنے میں اور اس کی نظریاتی بنیادیں قائم کرنے میں جو بھی تنوع اختیار کیا جائے، اس میں خدا، کائنات اور انسان کے بارے میں ہم کو آسمانی رہنمائی کی پابندی کرنا ہے، اس کا دامن نہیں چھوڑنا ہے، بالفاظ دیگر ادب کو حق وانصاف سے، اور انسانوں کو خدا سے دور اور ہوا وہوس کا شکار نہیں بننے دینا ہے، اس ضرورت کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہمارے پاس اسلام کے بتائے ہوئے اصول سب سے اعلیٰ اور مطابق ضرورت اصول ہیں، جن میں ادب کو پوری حریت ووسعت عطا کرنے کے ساتھ خدا بیزاری، انسان آزاری اور

خواہش نفس کی غلامی پر پابندی لگائی گئی ہے، ہمیں یہ پابندی قبول کرنا ہوگی، ورنہ ہم پورے عالم کے انسانی نظام کو ایسا نقصان پہونچانے کا باعث بنیں گے جس کی تلافی آسان نہ ہوگی، یہی وہ دعوت ہے جس کو ادب اسلامی کے عنوان سے ہم دیتے ہیں۔

ادبی کام ایک قسم کا ذہنی کام بھی ہے، جس میں ایک دل و دماغ سے دوسرے دل و دماغ تک پیغام رسانی کی جاتی ہے، خاص طور پر وہ ادبی کام جو ادیب کی طرف سے وجدانی و فنّی ہنر کے ساتھ ہو، خواہ وہ شاعری کے دائرہ کا ہو یا خطابت و افسانہ نگاری اور دیگر نثری اصناف کا ہو، لیکن وہ کوئی خشک فکری کام نہیں، اس میں علمی و تحقیقی اسلوب کو اصل ذریعہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ اس میں پُر اثر تعبیری انداز اختیار کیا جاتا ہے، اس تعبیری انداز کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، ان میں کبھی وجدانِ انسانی کو متأثر کرنے والے فقروں سے کام لیا جاتا ہے، اور کبھی خود معنیٰ و مضمون کی شگفتہ و پُرکشش ترتیب و انداز سے، گاہے بات کو پھیلا کر اور گاہے مختصر انداز سے، پھر مخاطب کے فطری احساسات اور جذبات کی نفسیاتی رعایت سے کام لیا جاتا ہے۔

ان ذرائع کی رعایت کے ساتھ جو بات بھی کہی جاتی ہے خواہ واقعاتی ہو خواہ ذہنی، ادب کے زمرہ میں داخل ہو جاتی ہے، اور ان ذرائع اور طریقوں کے فرق سے ادب کی چند درچند راہیں بن جاتی ہیں، بالآخر ادب زندگی کے تمام معاملات کی ترجمانی کو پُر اثر بنانے کا سب سے کامیاب اور وسیع طریقہ بن جاتا ہے۔

ادب دراصل انسان کے وجدان سے بنتا ہے، اور انسان کے وجدان کو متأثر کرتا ہے، وجدان کی طاقت و صلاحیت اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر انسان کو دی ہے، خواہ وہ محقق و مفکر ہو، اور خواہ جاہل و عامی، اس کی وجہ سے ادب کا دائرہ کار بھی بہت وسیع ہے، اسی لئے ادب کے ذریعہ کبھی مخاطب کے وجدان کو صرف لطف و لذت دینے کا کام کیا گیا، کبھی محض اپنی مرضی کے خیال کو جاگزیں کرنے کا مقصد حاصل کیا گیا، اور کبھی مخاطب کے کسی انسانی تقاضے کی رعایت میں تسکین کا سامان کیا گیا، کبھی اس سے اصلاحِ عوام کا کام لیا گیا، اور پوری پوری قوم میں تبدیلی لے آئی گئی، یا اس کو ایک بالکل نئے یا متضاد رخ پر ڈال دیا گیا، اور اس سے غیر ملکی طاقتوں کو مبغوض بنا کر مطرود کرنے کا کام لیا گیا، اس طرح ادب ایک طاقت ہے، ایک اثر انگیز ذریعہ

ہے، ایک انسانی تقاضہ کا فطری جواب ہے۔

ادبی انداز کلام کا آغاز اصلاً عبادت گاہوں میں اور پروردگار عالم کے سامنے مناجاتوں اور دعاؤں سے ہوا، اور پھر زندگی کے مختلف گوشوں میں پھیلتا چلا گیا، اب یہ کہنا کہ اس کا تعلق مذہبی زندگی اور عبد و معبود کے مابین تعلقات سے نہیں ہے، بڑی حقیقت ناشناسی اور زیادتی ہے، لیکن یہ زیادتی اور حقیقت ناشناسی مذہب بیزار یورپ نے چلائی اور پھیلائی ہے، ہمارا رابطۂ ادب اس زیادتی اور حقیقت ناشناسی کو دور کرنے کا فریضہ انجام دینے کے لئے قائم ہوا ہے، ہمارا رابطہ اس سلسلے میں پہلا ادارہ نہیں ہے اس سے قبل بھی صالح اہل ادب نے کوششوں کا آغاز کر رکھا تھا، رابطہ نے اس کو تیز کرنے اور وسیع بنانے کا بیڑا اٹھایا ہے، اور اس کے لئے رابطہ کے کاروانِ ادب نے آگے بڑھنا شروع کر دیا ہے، اس کا پہلا قدم ادب اسلامی کے مذاکراتِ علمی کے انعقاد سے اٹھا، اس کا دوسرا قدم سہ ماہی مجلہ کے لئے اٹھا جس کا دوسرا شمارہ آپ کے سامنے آرہا ہے، امید ہے کہ اس طرح ادب اسلامی کے تعارف اور اس کے ذخیرہ میں اضافہ کے فرض کی ادائیگی اچھے ڈھنگ سے انجام پائے گی۔

وما توفیقنا إلا باللہ العلی العظیم

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم شعبۂ برصغیر و ممالک مشرقیہ
رابطۂ ادب اسلامی (عالمی)

مضامین

(پروفیسر) ضیاء الحسن فاروقی
ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف
اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ، دہلی

اسلامی ادب میں تنقید کا معیار

ایشیائی ممالک میں جہاں علم و ادب کا چرچا رہا ہے، ادب و تنقید عام طور پر مغربی ادب و تنقید کے نظریوں سے متأثر رہی ہے، اور اس سے پہلے بھی یونانی خاص طور پر ارسطو کے نظریۂ شعریات کا ان پر اثر تھا۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ مغرب میں ادبی نظریات و تحریکات کا یا ان سماجی و سیاسی نظریوں کا جن کا اثر مغربی ادب پر اور اس کے توسط سے ہمارے ادب پر پڑا، کوئی سیر حاصل تجزیہ کیا جائے، البتہ دو تین اہم رجحانات کی مختصر تشریح کے بعد مجملاً اسلامی ادب میں تنقید کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارے کئے جائیں گے۔

صداقت بنتِ وقت نہیں ہے، دخترِ ازل ہے۔ ہم اس صداقت کو عقل یا وجدان سے نہیں پا سکتے۔ صرف الہام و وحی کے ذریعے اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔ دوسری حقیقت جس کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے، یہ ہے کہ دنیا کے تمام تہذیبی و فکری سرمایے کی ترکیب و امتزاج سے کوئی نظریہ قائم کرنا یا متعدد نظریوں میں ربط دے کر کوئی نظامِ حیات یا نظریۂ ادب بنانا، کارِ عبث ہے۔ درحقیقت کسی قوم یا جماعت کی روایات ہی جن میں راسخ العقیدگی کے باعث ایک تسلسل ہو، اس قوم، جماعت کے متعلق تاریخی صداقت کا مخزن ہوتی ہیں، اور روایتی سماجی اور مذہبی اداروں کے ذریعے اقدار ایک عہد سے دوسرے عہد میں، ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد اب ہم یہ دیکھیں گے کہ عہد جدید کے دو اہم نظریوں، رومانیت اور مسلک انسانیت (ROMANTICISM AND HUMANISM) کے

بنیادی اصول کیا تھے' اور انھوں نے کس طرح زندگی اور ادب کو متأثر کیا ہوگا۔ روسو (۱۷۱۲ء-۱۷۷۸) عہدِ جدید کی رومانیت کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ وہ ایک حساس انسان تھا اور اسی لئے وہ اپنے وقت کی سماجی بُرائیوں سے بہت زیادہ متأثر بھی تھا۔ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق ان برائیوں کا علاج تلاش کرنے کی کوشش کی اور وہ اپنی تلاش میں اس نتیجے پر پہونچا کہ تمام بُرائیوں اور خرابیوں کا سبب وہ سماجی، سیاسی اور مذہبی "ادارے" ہیں' جو انسان کو آزادی سے محروم کر دیتے ہیں' انسان جو اپنی فطری حالت میں نیک بھی ہے اور آزاد بھی۔

۱۔ "انسان آزاد پیدا ہے، لیکن ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے"۔

۲۔ "خدا اشیاء کو خیر کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ انسان ان میں رخنے ڈالتا ہے اور اشیاء خراب بن جاتی ہے"۔

روسو کے ان دو جملوں کو رومانی فکر کی اساس کہا جا سکتا ہے۔ یہ نظریہ مذہبی فکر سے بالکل مختلف ہے جو انسان کی نہ مطلق آزادی و اختیار کا قائل ہے نہ مطلق نیکی کا۔

روسو نہ تو خود اپنی نجی زندگی سے رومانی اصولوں کی معقولیت اور افادیت کو ثابت کر سکا اور نہ یہ اصول فرانس کو انتشار' مصیبت اور تباہی سے بچا سکے۔ ایک رہنما اصول کی حیثیت سے رومانیت کا نظریہ زندگی میں ناکام ثابت ہوا۔ اس کا کوئی پہلو اگر اچھا اور مفید کہا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ یہ اٹھارویں صدی کی جارحانہ عقلیت کے خلاف ایک روک بن گئی۔ اس نظریے نے ادب میں تخیل پرستی اور جذبات کے وفور کی شکل میں اپنا اظہار کیا اور نفسِ مضمون کو طرزِ ادا پر ترجیح دی۔ یہ نظریہ انسان کی شخصیت کا ایک مبالغہ آمیز تصوّر پیش کرتا ہے اور اس نظریے کے حامی انسان کی شخصیت کو ایک بنیادی قدر کا درجہ دیتے ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اسے تسلیم کرلیں تو ہمیں ہر انسان کے ذاتی تجربے اور مخصوص جذبے کو' یا یوں کہئے کہ شخصیت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینی ہوگی۔ ادب میں بھی رومانیت ایک ایسی حریت پسندی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جو زندگی میں ربط کے بجائے انتشار پیدا کرتی ہے۔ "شخصیت" کا ادب اور فنونِ لطیفہ میں اظہار ہو' یہ خیال آج بھی عام ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ "شخصیت" غیر ہدایت یافتہ بن جانے کی ساری صلاحیت رکھتی ہے' کچھ خود فریبی میں

تبتلا، کچھ غیر ذمہ دار، اور اپنی آزادی کے سبب حد سے زیادہ اپنے تعصبات، تنگ نظری، نخوت اور خود پسندی کی پابند اور مجروح، نہ کوئی ٹھہراؤ، نہ توازن، اپنی عجلت پسندی کے سبب ہمہ وقت خیر کو شر اور شر کو خیر سمجھ لینے کے خطرے کی زد میں، نافرمانی اور ناشکرا پن گھٹی میں، انسان کی صلاحیتیں محدود ہیں، اس لئے انسان کی "شخصیت" کو کتنے ہی پُرخلوص، پُرزور لہجہ اور واضح اسلوب میں پیش کیجئے، وہ کبھی ادب کو پرکھنے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اس لئے تنقید کا کوئی خارجی معیار تلاش کرنا چاہئے اور ہمارے خیال میں اس معیار کا انحصار مصنف کے نظریۂ حیات و کائنات پر ہے۔

ہیومانزم یا مسلکِ انسانیت فکرِ انسانی میں ایک روایت بن کر رہی ہے، لیکن یہ روایت تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف خیالات و رجحانات اور روایات سے اس قدر گڈمڈ ہوتی رہی ہے کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ درحقیقت بنیادی طور پر یہ ہے کیا، پانچویں صدی قبل مسیح میں پروٹاگوراس نام کا ایک یونانی فلسفی تھا جس کے اس مقولے کو کہ "انسان ہی تمام اشیاء کا پیمانہ ہے" عام طور پر ہیومانزم کی اساس قرار دیا جاتا ہے۔ پروٹاگوراس کے اس مقولے کا اصل مطلب کیا ہے، ہیومانزم کے متعلق قدیم تحریروں سے اس سوال کا کوئی قطعی اور صحیح صحیح جواب نہیں ملتا۔ بس یوں سمجھئے کہ فلسفے میں ہیومانزم فطرت پرستی (نیچریت) اور مطلقیت کا مخالف ہے۔ ہیومانزم اس بات کا حامی ہے کہ صرف انسانی تجربہ ہی اس لائق ہے کہ فلسفہ اپنی کاوشیں اس پر مرکوز کرے، یعنی فکر و نظر کی دنیا میں انسان کی ذات کو مرکزیت حاصل ہے۔ علوم و ادبیات میں جب یہ نظریہ کارفرما ہوتا ہے تو اس کا نام "لٹریری ہیومانزم" قرار پاتا ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں سوفسطائیوں نے جس فکری تحریک کا آغاز کیا تھا اور جسے سقراط نے جاری رکھا، وہ درحقیقت یونانی فکر میں دقیق نظریہ پرستانہ اور بے نتیجہ فلسفیانہ قیاس آرائی کے غلبہ کے خلاف بغاوت تھی۔ چودھویں پندرہویں صدی عیسوی میں اٹلی اور پھر بعد میں یوروپ کے دوسرے ملکوں میں، نشأۃ ثانیہ کی "لٹریری ہیومانزم" عہدِ وسطیٰ میں کلیسا کے جامد علمی و فکری نظام کے خلاف ایک شدید ردعمل تھا۔ سترہویں صدی میں عیسائی ہیومانزم نے اس بات کی کوشش کی کہ انسان کی ذات کے حوالے سے حقیقتِ مطلق کی ماورائیت کا اثبات کرے۔ مگر

اب علم کی ترقی اتنی تیزی سے ہو رہی تھی اور یوروپ کے جاگیرداری نظام کے ہاتھوں انسان کی حالت اتنی ابتر تھی کہ فکر و عمل کی دنیا میں انتشار و انقلاب کی آہٹ اور دھمک صاف سنائی دیتی تھی۔ اب تھوڑے ہی عرصہ بعد ہمیں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں عقلیت، تجربیت، رومانیت اور اشتراکیت جیسے نظریوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ پھر امریکہ کی جدید طرز کی سیکولر ہیومانزم اور سارتر کی وجودیت کی ہیومانزم کا نعرہ سننے میں آتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو مارکسیت کو بنیادی طور پر انسان دوستی ہی تصور کرتے ہیں ـــــ بہرحال اوپر ہیومانزم سے متعلق جن رجحانات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، وہ سب اسی بات کو (علاوہ عیسائی ہیومانزم کے) اپنے اپنے طریقے سے دہراتے ہیں کہ انسان کی ذات کائنات کا مرکز ہے، اس لئے عالمِ آخرت یا عالمِ طبعی کی طرف توجہ کرنے کے بجائے مجموعی انسانی زندگی کا مطالعہ اور اس کی ترقی کی کوشش کرنی چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی بات کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہیومانزم ایک ایسا فلسفۂ انسانیت ہے جس کا پیرو کسی ماقوق الادراک ہستی پر عقیدہ نہیں رکھتا اور انسانی فلاح و بہبود کی کوشش کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہے۔

دورِ جدید میں ہیومانزم کے پیروؤں کے مختلف مکاتبِ فکر ہیں، وہ شاذ و نادر ہی کسی بات پر متفق ہوتے ہیں لیکن اگر ہم کوشش کریں تو چند نکات ایسے ہیں جن پر عام طور پر سبھی زور دیتے ہیں، مثلاً،

۱۔ سب ہی انسان کو بنیادی طور پر نیک سمجھتے ہیں۔
۲۔ سبھی کے نزدیک انسانیت پرستانہ جمالیاتی اصولوں کا تقاضا ہے کہ ادب اور فنونِ لطیفہ میں عقلِ انسانی اور ارادۂ انسانی کی آزادی کو پوری اہمیت دی جائے اور
۳۔ سبھی انسان کی ذات کو فکر و نظر کا اہم موضوع قرار دیتے ہیں۔

مارکسیت کی بنیاد مادیت اور تاریخ کے جمالیاتی مزاج پر ہے جو ہمارے ادب میں تنقید کی اساس اس لئے نہیں بن سکتی کہ ہماری نظر ہمہ وقت مادّہ کے خالق پر رہتی ہے جس کے سامنے ہم آخرت میں جواب دہ ہیں۔ دنیا کی زندگی جس کی مادّی ترقی مارکسیت کا اصل اصول ہے، ہمارے لئے متاعِ قلیل قرار دی گئی ہے، محض آخرت کی کھیتی جو اس دنیا سے بہتر ہے، باقی رہنے والی

ہے اور ہماری اصل منزل ہے۔ اسی طرح آج کی نئی ہیومانزم جس نے کچھ عرصہ پہلے امریکہ میں ایک ادبی اور فلسفیانہ تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی، اور جس کا مقصد زندگی میں حُسن، اعتدال اور ہوشمندی کی تلاش تھی، ہمارے ادب کا معیار نہیں بن سکتی خواہ اس کا مقصد قدیم مذاہب اور تہذیبوں کے اچھے اور صالح عناصر کو اپنے ترکیبی ادب میں شامل کرنا ہی کیوں نہ رہا ہو، اس لئے کہ ہیومانزم کی یہ نئی شکل بھی ایک مطلق اور عالم مادی کے تعینات سے بَری اور ماوراہستی کے وجود اور اس پر ایمان و یقین کی منکر ہے۔

ہر مصنف، ادیب یا آرٹسٹ کا ایک نظریۂ کائنات ہوتا ہے جو اس کے فنی عمل یا تصنیفی کاوش کے پس منظر میں کارفرما رہتا ہے۔ یہ نظریۂ کائنات اس کے شعور و ادراک کا ایک جزو لاینفک بن جاتا ہے اور اس کی جمالیاتی حِس کے تار کو اس طرح چھیڑتا رہتا ہے کہ ادیب اور فنکار کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسلام بھی انسان اور کائنات اور ان دونوں کے خالق سے متعلق ایک عقیدہ پیش کرتا ہے۔ اسلامی ادب میں تمام فنی و ادبی اصولوں کو کمال حُسن آفرینی کے ساتھ برتا جانا چاہیئے لیکن وہ عالمی روحانی و اخلاقی اقدار بھی جو ہنگامی اور عارضی نہیں ہیں، جو وجودِ انسانی کے روحانی پہلو سے تعلق رکھتی ہیں اور اخلاقِ الٰہی کا پرتو ہیں، صالح جمالیات کے اصول کے مطابق، آفاقی ادب کے حسن و عظمت کے تمام تقاضوں کے ساتھ، ادیب اور فنکار کے فکر و نظر میں شامل رہنی چاہئیں۔

فلسفۂ وجودیت ہو یا جدید ہیومانزم، بحران و انتشار کے فلسفے ہیں۔ اسی لئے ادب اور آرٹ دونوں بھی اسی کیفیت کا شکار ہیں۔ آج کا بنیادی مسئلہ انسانی زندگی کا یہی بحران ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ادب بذات خود کیا ہے، ادب اور زندگی میں کیا تعلق ہے، اور زندگی میں انسان، کائنات اور ماورائے کائنات کے باہم رشتہ و پیوند کی کھوج ضروری ہے یا نہیں، یہ سب وہ بحثیں ہیں جو ادب اور تنقید کا موضوع ہیں اور رہیں گی۔ اسی طرح یہ کہ سائنٹفک تنقید کیا ہے اور کیا تنقید کے اصول اور کلیوں کو منطبق کرنے کا عمل محض میکانکی ہوتا ہے، یا اس میں فنکار کے انفرادی شعور کے پیچ و خم کا مطالعہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس اجتماعی شعور کا جس نے اس انفرادی شعور کے خد و خال کی تشکیل کی ہے، یہ مسئلہ بھی تاثراتی تنقید، تقابلی تنقید،

مارکسی تنقید، تنقید میں تاریخی نقطۂ نظر اور ہیئت پرستی کے نظریے وغیرہ کے ساتھ ہمارے مطالعے کا موضوع ہونا چاہیئے اور تنقید کے ان مختلف نظریوں کی جانچ کرکے یہ دیکھنا چاہیئے کہ ادب میں مذہبی و اخلاقی اقدار کا رول کیا ہے اور انھیں برت کر کیا ایسے ادب کی تخلیق ممکن ہے جس سے اگر ایک طرف حکیمانہ نظر اور آگہی پیدا ہو تو دوسری طرف پڑھنے والوں میں حسن، خیر، صداقت، موزونیت، اشیاء میں ہم آہنگی اور محبت و دردمندی، احساس اور ان کے مشاہدے اور احساس و ادراک کے پیمانوں میں نکھار پیدا ہو۔

عظیم ادب مقامی اور ہنگامی نہیں ہوتا۔ اس کی اپیل آفاقی ہوتی ہے۔ ادب کی ہم عصریت کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم لیکن اگر اس میں آفاقیت اور ابدیت کے عناصر بھی شامل ہو جائیں تو ادب عظیم اور دیرپا ہوتا ہے۔ ٹالسٹائے نے ایک طویل مقالہ "آرٹ کیا ہے؟" لکھا تھا، یہ آج سے کوئی ستر پچھتر سال پہلے کی بات ہے اور اگرچہ اس عرصے میں تنقید کے قلزم میں ادبی معیاروں اور قدروں کے نظریوں کے متعلق نہ معلوم کتنے دھارے آکر مل چکے ہیں، لیکن آج بھی اس مقالے کے بعض نکات صداقت کے حامل ہیں۔ مثلاً، اس نے کہا تھا کہ ادب کو متعدی ہونا چاہیئے یعنی ادیب یا شاعر اپنے پڑھنے والوں کو اسی جذبے اور کیفیت سے سرشار کر دے جس میں خود اس کی اپنی شخصیت ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسا ادب غیر شعوری طور پر اجتماعی مقصد کے حصول میں بھی مدد دیتا ہے۔ دوسری اہم بات ٹالسٹائے نے یہ کہی تھی کہ ادب کو مذہبی و اخلاقی قدروں کا تابع ہونا چاہیئے۔ اب اگر مذہبی و اخلاقی قدریں آفاقی ہیں تو ایسا ادب جغرافیائی اور قومی تحدیدات سے ماوراء ہوگا اور جس طرح خدا کی رحمت عام ہے، اسی طرح یہ ادب سب کے لئے ہوگا اور اس میں انسانوں کو ایک مرکز پر لانے کا حوصلہ بھی پایا جائے گا۔ یہ ادب بنیادی انسانی قدروں، مثلاً محبت، مساوات، رواداری، عزم و ہمت، ایثار و خدمت، زندگی کی الجھنوں میں صبر و استقامت اور خوب سے خوبتر کی تلاش کے جذبے اور شوق سے معمور ہوتا ہے اور اس میں ایمان اور عملِ صالح کے ذریعے اس آرزو کے ارتعاشات بھی ملتے ہیں جو عالمِ غیب کے انسان کے رشتے اور ربط کو قائم کرنے اور اس کو باقی رکھنے کا ایک سرمدی اظہار ہے ۔

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی

ایسا ادب اپنے پڑھنے والوں کو نہ صرف ذہنی و روحانی مسرت سے ہمکنار کرتا ہے بلکہ انھیں وہ بصیرت بھی عطا کرنے کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہے جس کی روشنی میں حساس دل و دماغ والے لوگ اپنے اثباتی نصب العین کی طرف آگے بڑھ سکتے ہیں، اور اگر ضرورت ہو تو اسے موجود حقیقت کو بدل ڈالنے کا وسیلہ بھی بنا سکتے ہیں، اور یہی وہ ادب ہے جس کی نمود بقول اقبال ادیب یا شاعر کے "خونِ جگر" کی رہینِ منت ہوتی ہے۔ یہاں "خونِ جگر" ایک استعارہ ہے جسے ہم اس سیاق میں گہرے تاریخی شعور، راسخ العقیدگی اور روایت کے تسلسل پہ یقین کے سہارے حال میں ماضی کی بازآفرینی، گہری دردمندی، دور آفریں تخلیقی عمل، سوزِ حیاتِ ابدی، اور انبساط آگیں جمالیاتی پیکر تراشی کے ایک نشاط انگیز آمیزہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

پروفیسر مولانا عبداللہ عباس ندوی
جامعہ ام القریٰ۔ مکہ مکرمہ

اسلامی ادب کی تخم ریزی

"چٹاگاؤں (بنگلادیش) میں ۲۱ر۔۲۳ر جنوری ۱۹۹۴ء کو رابطۂ ادبِ اسلامی عالمی کا علاقائی اجلاس منعقد ہوا جس میں ایک عنوان "اردو ادب میں اسلامی رجحانات" کا بھی تھا اس کے تحت یہ مقالہ تیار کیا گیا تھا۔" (ایڈیٹر)

ہمارے اسلامی نصابِ تعلیم کا سنگ بنیاد قرآن کریم ہے، اور قرآن ہی پر ہمارے تمام علوم وفنون کی انتہا ہے، ہمارا دینی نصاب اسی محور پر گھومتا اور گردش کرتا ہے۔ زبان ہم کوئی بھی بولیں، لہجہ کوئی بھی اختیار کریں، اگر اسلام سے ہمارا تعلق قائم ہے تو قرآن کے دامن سے وابستہ رہیں گے، قرآن کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کے لئے ہم غیر عرب مسلمانوں کو عربی زبان کے حروف تہجی سے واقف ہونا ضروری ہے، ان الفاظ کو ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے ہمیں ایک ابتدائی کتاب کی ضرورت ہے، ایسی کتاب دوسرے ملکوں میں بھی ہوگی، مگر برصغیر جس میں ہند و پاکستان اور بنگلہ دیش ہے، یہاں ہمیں ایک ایسی کتاب نظر آتی ہے جو فنِ تعلیم کے قدیم معیار پر پوری اترتی ہے، اور جدید فنِ تعلیم میں بھی اس سے بہتر دوسری کتاب اب تک نظر سے نہیں گذری، وہ ہے "قاعدہ بغدادی" یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ یہ بغدادی کون بزرگ تھے جنھوں نے یہ قاعدہ تصنیف کیا اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ آپ فارسی بولتے ہوں یا بنگالی، پنجابی بولتے ہوں یا اردو، سندھی، گجراتی غرض کوئی زبان بھی بولتے ہوں، اگر قرآن پڑھانا چاہتے ہیں تو قاعدہ بغدادی سے مفر نہیں ہے، اس کتاب کے ذریعہ آپ

عربی، فارسی، اردو سیکھ لیں، یہ اور بات ہے، مگر اصلاً یہ قرآن ہی کی تعلیم کے لئے مرتب کی گئی ہے، زبر، زیر، پیش کی مشقوں کے معاً بعد حروف تنوین کی مشق اردو کے لئے نہیں ہے، بلکہ خالصتاً قرآن کریم کے لئے ہے۔ "آنَ، اُوْنَ، اِیْنَ" اور اس کے بعد آنکم، بانکم کی مشق قرآنی الفاظ کے ادا کرنے پر زبان کو سدھارتی ہے۔ اور اس درجہ سائنٹفک ہے کہ چار پانچ سال کے بچوں کو اس درجہ مہارت کے ساتھ قرآنی الفاظ ادا کرنے کی مشق ہو جاتی ہے کہ بچہ خود بخود قرآنی مخارج ادا کرنے لگتا ہے، مثال کے طور پر دیکھئے ابتدائی پانچ اسباق کے بعد دو حرفی لفظ بنانے لگتا ہے، اور اس کے بعد پوری تختی خود سے مکمل کر لیتا ہے، یہاں اس کو "آنَ، اِیْنَ، اُوْنَ، بَانَ، بُوْنَ، بِیْنَ" سکھا دیا گیا وہ پوری تختی یاء تک پڑھنے لگتا ہے، جیسے ڈھلوان پر پہیہ دار گاڑی کو ذرا دھکا دیجئے اور گاڑی بغیر کسی مشقت اور بغیر کسی مدد کے سطح تک پہونچ جاتی ہے، حروف تہجی کی تعداد بھی وہی ہے جس میں پ، چ، ڈ، یا حروف مہتوتہ بھ، جھ، دھ نہیں ہے، صرف وہی مخارج ہیں جو قرآن کے لئے ضروری ہیں، لہذا قرآن پڑھنے والا بنگالی ہو یا گجراتی۔ اس کے لئے مشترک کتاب جس کے ذریعہ وہ "الکتاب" تک پہونچ سکے یہی قاعدہ بغدادی ہی ہے، فنِ تعلیم کے ماہرین اب تک اس کتاب سے بڑھ کر یا اس کے مقابلہ میں کوئی قاعدہ تصنیف نہیں کر سکے، قاعدہ "یَسَّرْنَا القرآن" وغیرہ بھی اس کے آگے ہیچ ہیں۔

بچوں کی تعلیم کا مسئلہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مناہج سے زیادہ دشوار ہے، بچوں کو زبان کی تعلیم اس طرح دی جاتی ہے جس سے ان کی ذہنی نشو و نما بھی ہو، وہ دین و عقیدہ سے وابستہ رہتے ہوئے اپنے گرد و پیش سے بے گانہ نہ رہیں، اسی مقصد کے لئے مختلف زبانوں میں مختلف قسم کے تجربے ہوئے ہیں، مسلم علماء و مفکرین نے بچوں کی ذہنی و لسانی تربیت کے لئے جو نصاب تجویز کئے وہ دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ جن میں براہِ راست عقیدہ کی تعلیم ہے، اور زبان ایسی اختیار کی گئی ہے، جو بچوں کی محدود قوتِ فہم اور قوتِ گفتار کا ساتھ دے سکے، اور درجہ بدرجہ ان کو نئے الفاظ اور نحوی ترکیبوں سے آشنا کرے، اس کی مثال عربی میں دو ریڈریں ہیں جن میں انبیاء کرام کے قصے آسان زبان میں لکھے گئے ہیں، اس طرح کی ریڈریں استاذ سید قطب اور احمد النجار نے مصر میں مرتب کی ہیں، ہندوستان میں قصص النبیین ہے اس کے مصنف

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مزید اضافہ ایسا کیا ہے کہ الفاظ کی تکرار سے الفاظ اور جملوں کی مشق ہو جاتی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تاریخ اور طبیعاتی علوم بھی بچوں کی سادہ زبان میں لکھے جائیں اور زبان آفرینی کی صلاحیت کے ساتھ عقائد و موروثی تصورات بھی ذہن میں راسخ کرائے جائیں، تاریخ کے وہ پہلو اجاگر کئے جائیں جو بچے کے ذہن پر آباء و اجداد یا دینی شخصیات اور ان کے کارناموں کی چھاپ ڈال سکیں، اس کی مثال بھی عربی کی "القرأۃ الراشدۃ" ہے، جس میں "المنارۃ تتحدث" کے عنوان کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ قطب منار بولتا ہے، قطب منار کی تاریخ، اور اس کے گرد و پیش کی تاریخ، سلاطینِ مغلیہ کی تاریخ آسان زبان میں سناتا ہے، تاکہ طالب علم کے ذہن کا سانچہ اسلامی قالب اختیار کرے۔

لیکن اردو میں ایسا سلسلہ جس میں فنِ تعلیم کی رعایت کے ساتھ اخلاقیات اور دینیات کی روح بھی ہو، نہیں ملتا ہے، اگر ہے بھی تو ایسا ہے جو صرف عقائد کے بیان تک محدود ہے، حکیم شرافت حسین رحیم آبادی مرحوم نے "قصص النبیین" کے طرز پر اللہ کے رسول، خلفاء راشدین کی سیرتیں لکھی ہیں، جو بہت مقبول ہوئیں۔ اس سلسلہ میں ایک انتہائی ذہانت کا کام جناب خان صاحب مولوی اسماعیل میرٹھی نے انجام دیا ہے، میں نے زبان آموزی کی جتنی کتابیں دیکھی ہیں ان میں کامیاب ترین سلسلہ ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو آموزی ہی کے لئے تیار کی گئی ہے، اور کوشش کی گئی ہے کہ بچہ مسلمان ہو یا نہ ہو جس کو بھی اردو سیکھنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس نصاب کی خصوصیت ہے کہ اس کو پڑھ کر غیر ارادی طور پر بچے کو خالق کی یاد آتی ہے، اس میں نثر و نظم کا حسین امتزاج ہے، اور چھوٹے چھوٹے فقرے اور متعین الفاظ کا استعمال بچہ اس طرح بلا مشقت سیکھتا ہے جیسے سانس لینے اور پانی پینے میں کوئی مشقت نہیں محسوس کرتا، مضامین ایسے ہیں جن سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ خاص عقیدہ و عمل پر تیار کرنے کے لئے تیار کئے گئے ہیں، بلکہ عام معلومات جو زندگی کے لئے ضروری ہیں ان کو خوبصورتی سے زبان آموزی کے چوکھٹے میں سجایا گیا ہے۔ ہر مضمون کو علیحدہ علیحدہ فصلوں اور نظموں میں اس طرح سٹ کیا گیا ہے کہ خود بخود بلا ارادہ طبیعت کا رجحان اس کو

سمجھنے پر مائل کرتا ہے، اب ذرا تفصیل سے ان مضامین کو دیکھئے اور ان کے حسنِ بیان اور بچوں کی زبان کی رعایت ایک ساتھ ملاحظہ کیجئے۔

اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ پہلا حصہ ابتدائی قاعدہ ہے، جس میں حروف تہجی کی تعداد بھی ۲۸ کے بجائے ۳۵ ہے۔ کیونکہ فارسی میں مستعمل اصوات "پ، چ، ژ" وغیرہ بھی ہیں۔ اور ہندی کی اصوات جس کو ہنونتہ کہتے ہیں جیسے بھ، تھ، ٹھ وغیرہ بھی ہیں، پھر دو حرفی، سہ حرفی الفاظ سے جملے بھی بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جیسے یارب، دل دے، سن لے، خدمت کر، خدمت کر" اس طرح کے جملے معنی خیز اور تربیتِ ذہنی کا عنصر بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں، اردو زبان کی پہلی کتاب میں پہلے نئے الفاظ کی فہرست دی گئی ہے، پھر اس کی مدد سے بنائے ہوئے جملے دیئے گئے ہیں۔ وہ جملے اس طرح کے ہیں۔

- غریب کسان پر رحم کرنے سے وکیل کی شہرت ہوئی۔
- کسی کی نسبت بُرا گمان کرنا بھی گناہ ہے۔
- اچھی صحبت میں بیٹھو تو عادت درست ہو۔

اس کے بعد والے سبق میں اس طرح جملے ہیں۔

- ایک بہادر سپاہی تلوار اور بندوق لے کر میدان میں گیا۔
- اس بیمار نے پرہیز نہ کرنے پر بڑا نقصان اٹھایا۔

ان جملوں کو دیکھئے زبان سکھانے کے ساتھ اسلام کے بنیادی اخلاق، ہمدردی، شجاعت بُری صحبت سے گریز اور غذا میں پرہیز کے اصول بھی ضمناً سمجھا دیئے گئے۔

یہی پہلا حصہ ان اسباق پر مشتمل ہے جس میں اخلاقیات کے ساتھ معلومات کی تعلیم کا بھی اہتمام ہے۔ نمونے کے طور پر بیسواں سبق لیجئے۔

۱۔ وقت:۔ وقت بھی عجیب چیز ہے، بہتے دریا کی مانند چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ جو گھڑی جاتی ہے واپس نہیں آتی ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

۲۔ کاہل آدمی کو دن کاٹنا مشکل ہو جاتا ہے، محنتی آدمی کا وقت ہنسی خوشی گذر جاتا ہے۔

۳۔ جو وقت کو کام میں لاتا ہے وہی نفع اٹھاتا ہے، جو سستی کرتا ہے وہ مصیبت بھرتا ہے۔
۴۔ ہم کو وقت کی تمیز، سورج اور ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے سے ہوتی ہے۔
۵۔ پل، گھڑی، منٹ، گھنٹہ، دن، رات، ہفتہ، مہینہ اور برس یہ وقت کے حصے ہیں۔
۶۔ ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک کام مقرر کرو۔

اب جب کہ بچہ الفاظ صحیح پڑھنے اور لکھنے لگا اور اس کو گرد و پیش کے متعلق معلومات حاصل ہو گئیں، مشہودات کی تمیز ہو چلی تو اب اس کے دماغ اور فکر کو کام میں لانے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، بچہ دوسرے حصّے کے پہلے سبق کو اس طرح پڑھتا ہے۔

۱۔ نیلا آسمان، روشن سورج، اجلا چاند، اور جگمگاتے تارے کس نے بنائے۔
۲۔ زمین پر ہوا، ہوا پر بادل، بادلوں میں بجلی، اور بجلی میں کڑک کس نے بنائے۔
۳۔ مینہ کی پھوار، اولوں کی بوچھار، اور ہر طرف کے انبار کس نے بنائے؟ دھواں دھار کہرا بھینی بھینی اوس، اور سفید پالا کس نے جمایا۔
۴۔ یہ چوڑی چکلی زمین، گہرا سمندر، اونچے اونچے پہاڑ، ابلتے چشمے، بہتے دریا، کس نے بنائے؟
۵۔ یہ کالے گورے آدمی، لڑکے لڑکیاں، عورت، مرد، بھانت بھانت کے جانور، چرندے، درندے، پرندے، مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے کس نے پیدا کئے۔
۶۔ یہ ہرے بھرے درخت اور بیل بوٹے، ان میں رنگ برنگ کے پھول اور کھٹے میٹھے رسیلے میوے کس نے لگائے۔
۷۔ یہ سب چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں، جو بڑا مہربان اور کل عالم کا نگہبان ہے، وہی سب کو پالتا اور روزی دیتا ہے، وہی جلاتا اور مارتا ہے، وہی بناتا اور بگاڑتا ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

یہ دوسرے حصے کا پہلا سبق تھا جو بالکل فطری انداز میں بچہ کے مشاہدات اور اس کی عقل کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، زبان اس درجہ شیریں اور آسان کہ صرف چند نئے الفاظ ایسے ہیں جن کو سمجھانے کی ضرورت پڑے، ہلکا سا قافیہ، پھوار، بوچھار، انبار کہیں کہیں عبارت میں دلکشی ایسی کہ ایسے جملے بچوں کو آسانی سے یاد ہو جائیں بلکہ زبان زد ہو جائیں ان کے

ذہن کے نرم و نازک پردے پر عقیدے کی مہر پیوست کردے، اخلاقیات کے رموز ہلکے پھلکے قصوں میں بیان کرنا بھی مصنف کا امتیاز ہے چھوٹی عمر کے بچوں کو جن طور طریقوں سے رہنا چاہئے صفائی ستھرائی نشست و برخاست کے آداب، بڑوں کو سلام کرنے اور تمیز سے بیٹھنے کے طریقے کھانے کے آداب، دسترخوان پر کیسے بیٹھیں کسی مجلس میں کس طرح بیٹھیں، کھانسی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ لیں، چھینک آئے تو منہ پھیر لیں، اور الحمدللہ کہیں، باتیں بہت چھوٹی چھوٹی مگر سب اہم اور بنیادی، طرزِ بیان کی خوبی اور زبان آموزی کی روح سب میں طاری۔

اس کے علاوہ ہندوستان کی پوری تاریخ، جغرافیہ، بادشاہوں کے مختصر حالات، ہندوستان کی مشہور شخصیات کے نام اور ان کا تذکرہ اور سب کچھ اس طرح کہ کوئی تاریخ، جغرافیہ، فنِ زراعت، کیمیا، فزکس کے ابواب نہ معلوم ہوں اور سب ہی مضامین کی ساری بنیادی باتیں آجائیں۔

مؤلف خود بھی شاعر ہیں اور ان کی شاعری حکمت آموز بھی اور زبان آموز بھی اور نصیحت و موعظت بھی اپنے جلو میں لئے ہوئے۔ ایک نظم سنئے۔ عنوان ہے "چھوٹی چیونٹی"۔

بڑی عاقلہ ہے بہت دور بیں ہے — کہ فکر اپنی روزی کا تیرے تئیں ہے
اسی دھن میں پہونچی کہیں سے کہیں ہے — کبھی اپنے دھندے سے غافل نہیں ہے
اری چھوٹی چیونٹی! تجھے آفریں ہے

نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت — ذرا سی تو جاں اور اس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہے مشقت مصیبت — نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمّت
اری چھوٹی چیونٹی! تجھے آفریں ہے

کبھی کام تو نے ادھورا نہ چھوڑا — کبھی تو نے تکلیف سے منہ نہ موڑا
بہت کام تو نے کیا تھوڑا تھوڑا — ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہے جوڑا
اری چھوٹی چیونٹی! تجھے آفریں ہے

جو گرمی کی رت میں نہ کرتی کمائی — تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی
تجھے ہوشیاری یہ کس نے سکھائی — سمجھتی ہے اپنی بُرائی بھلائی
اری چھوٹی چیونٹی! تجھے آفریں ہے

نہ کھو وقت سستی میں مہلت ہے تھوڑی وہی کام کر جس سے مالک ہو راضی
کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہے چیونٹی
اری چھوٹی چیونٹی! تجھے آفریں ہے

اس حصے یعنی اردو کی دوسری کتاب کے عنوانات سے اندازہ ہو جائے گا کہ بچہ کی ذہنی نشوونما کا کس درجہ اہتمام ملحوظ رکھا گیا ہے، زبان کی تعلیم اس طور پر دی جا رہی ہے کہ بچہ اگر چار حصوں کے بعد کچھ نہ بھی پڑھے تو بھی اجتماعی شعبوں اور آدابِ زندگی، معاشرت کے اصول، تاریخ کے موٹے موٹے واقعات، شخصیات کے تعارف سے بے گانہ نہ رہے، خدا کی خلقت کو نظم کے حسین پیرائے میں بیان کرنے کے بعد "نور کا تڑکا" اس طرح بیان کیا ہے کہ بغیر بتائے ہوئے ذہن تلاش کرے کہ کس طرح چاند کی روشنی پھیکی پڑ گئی، ٹھنڈی ہوا کس کے حکم سے چل رہی ہے، گھاس اور پتوں پر شبنم کے قطرے کس کے اشارے پر گرتے ہیں اور کیوں گرتے ہیں، کلیوں کی چٹک، چڑیوں کی چہکار، پھولوں کی مہک، سبزوں کی لہک کے پیچھے کسی اَن داتا کا اَن دیکھا ہاتھ کام کر رہا ہے۔

آفتاب کے عنوان سے پورب، پچھم کی تمیز، دن کا نکلنا، اور ڈھلنا، گرمی اور روشنی کا بیان سب کو دکھا کر قدرت کے عظیم کارخانے کی طرف ذہن خود بخود متوجہ ہو جاتا ہے، خوش خوئی ایک عنوان ہے، اس میں نصیحت کے بول ہلکے پھلکے جملوں میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں جیسے بچے کو چمکار کر سر پر ہاتھ رکھ کر پیار اور شفقت کے ساتھ کوئی بڑا بوڑھا بتا رہا ہے، معلوماتی مضامین بھی درمیان درمیان میں آتے جاتے ہیں، مچھلی کیسے پیدا ہوتی ہے، وہ پانی سے سانس لیتی ہے، انسان ہوا سے سانس لیتے ہیں، دونوں کو زندگی دینے والا کون ہے، کوئی حکایت ایسی نہیں ہے جو نصیحت سے خالی ہو، ایک ہاتھی اور گیدڑ کی حکایت ہے، جس میں لالچ اور دغابازی کے بُرے انجام کو بتایا گیا ہے، اسی طرح دوسری حکایت میں بھی کچھ نصیحتیں درمیان میں آجاتی ہیں "ہماری گائے" کے عنوان سے نظم مؤلف کی شاہکار ہے۔

رب کا شکر ادا کر بھائی جس نے ہماری گائے بنائی
اس مالک کو کیوں نہ پکاریں جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں

خاک کو اس نے سبزہ بنایا — سبزے کو پھر گائے نے کھایا
کل جو گھاس چری تھی بن میں — دودھ بنی وہ گائے کے تھن میں
سبحان اللہ! دودھ ہے کیسا — تازہ، گرم، سفید اور میٹھا
دودھ میں بھیگی روٹی میری — اس کے کرم نے بخشی سیری
دودھ، دہی اور مٹھا، مسکہ — دے نہ خدا تو کس کے بس کا
گائے کو دی کیا اچھی صورت — خوبی کی ہے گویا مورت
دانہ، دنکا، بھوسی، چوکر — کھالیتی ہے سب خوش ہوکر
کھاکر تنکے اور ٹھٹھیرے — دودھ ہے دیتی شام سویرے
کیا ہی غریب اور کیسی پیاری — صبح ہوئی جنگل کو سدھاری
سبزے سے میدان ہرا ہے — جھیل میں پانی صاف بھرا ہے
پانی موجیں مار رہا ہے — چرواہا چمکار رہا ہے!
پانی پی کر چارہ چرکر — شام کو آئی اپنے گھر پر
دوری میں جو دن ہے کاٹا — بچے کو کس پیار سے چاٹا
گائے ہمارے حق میں ہے نعمت — دودھ ہے دیتی کھاکے بنسپت
بچھڑے اس کے بیل بنائے — جو کھیتی کے کام میں آئے
رب کی حمد و ثنا کر بھائی — جس نے ایسی گائے بنائی

لطف یہ ہے کہ کوئی حکایت، نظم، یا تصیحت، معلوماتی مضمون ایسا نہیں ہے جو ایک کے بعد دوسرا اس موضوع کے متعلق ہو بلکہ کوشش کی گئی ہے کہ بچے کے اندر اکتاہٹ نہ ہو، اور کسی سے خشکی محسوس نہ ہو، پن چکی کے بعد، ہاتھی کا تعارف پھر ایک کتّا اور بلّی کی حکایت، اور حکایت بھی ایسی جو مفیدِ مطلب ہو، مثلاً یہی مختصر سی نظم اس شعر پر ختم ہوتی ہے۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

تیسری کتاب یا تیسرا حصہ ذرا گہرے معانی کی طرف نوعمر طالب علم کو متوجہ کرتا ہے،

مثلاً ایک نظم ہے "ملمع کی انگوٹھی" اس میں جو نصیحت ہے، اس کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا۔ اس کے الفاظ اور رجحانات اس درجہ دل نشیں ہیں کہ نوعمر بچے ہی نہیں بڑی عمر کے لوگ پڑھیں تو زبان و ادا کی دلکشی اور نصیحت کے پہلو کو فراموش نہ کر سکیں۔

چاندی کی انگوٹھی پہ جو سونے کا چڑھا جھول — اوچھی تھی لگی بولنے اترا کے بڑا بول
چاندی کی انگوٹھی کے نہ میں ساتھ رہونگی — وہ اور رہے میں اور ذلت نہ سہوں گی
میں قوم کی اونچی ہوں بڑا میرا گھرانا — وہ ذات کی گھٹیا ہے نہیں اس کا ٹھکانا
میری سی چمک اس میں نہ میری سی دمک ہے — چاندی ہے کہ رانگ مجھے اس میں بھی شک ہے
میری سی کہاں چاشنی میرا سا کہاں رنگ — وہ مول میں اور تول میں میرے نہیں پاسنگ
اے دیکھنے والو! تم ہی انصاف سے کہنا — چاندی کی انگوٹھی بھی ہے کچھ گہنوں میں گہنا
یہ سنتے ہی چاندی کی انگوٹھی بھی گئی جل — اللہ رے ملمع کی انگوٹھی! ترے چھل بل
سونے کے ملمع پہ نہ اترا مری پیاری — دو دن میں بھڑک اس کی اتر جائے گی ساری
مت بھول کبھی اصل کو اپنی اری احمق! — جب تاؤ دیا جائے گا ہو جائے گا منہ فق،
سچے کی تو عزت ہی بڑھے گی جو کریں جانچ — مشہور مثل ہے کہ "نہیں سانچ کو کچھ آنچ"
کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا — جھوٹوں نے جو سچوں کو چڑایا بھی تو پھر کیا
کھوٹے کو کھرا بن کے نکھرنا نہیں اچھا — چھوٹے کو بڑا بن کے ابھرنا نہیں اچھا

فنِ زراعت کی اصطلاحات اور کھیتی باڑی کے مراحل، اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، جو بہت سے لوگوں کو نئے معلوم ہوں گے، زیرِ زمین دھاتوں، سونا، چاندی، لوہا، پلاٹینم، تانبا، پیتل، یہ الگ الگ صفحے دو صفحے کے مضمون بہت معلومات افزا اور جاندار ہیں، انسان کے جسم کے اجزاء، ہڈیوں کی تعداد، رگوں میں خون کی گردش کیوں کر ہوتی ہے، خوبصورتی کے ساتھ بتا دیئے گئے ہیں۔

چوتھی کتاب میں مسلم سلاطین کے تذکرے ہیں اور کیمیا و زراعت کے متعلق جو مضامین تیسرے حصے میں آئے ہیں، ان کو مزید تفصیل سے بتایا گیا ہے، اور بغیر خبلائے ذہن کو اس رخ پر موڑا گیا ہے کہ خدا کی وحدانیت و قدرت پر ایمان پختہ ہو جائے، یہ صحیح ہے کہ ان چاروں

حصوں میں عقائد، ایمانیات، سیرت، قرآن کریم اور ماوراء الطبیعاتی امور پر کوئی مضمون نہیں ہے لیکن اس کی یہ توجیہہ بے جا طرفداری نہیں ہوگی کہ طالب علم کا ذہن اس بات کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اگر اس کو عقائد سے متعلق مضامین پڑھائے جائیں تو وہ شربت کے گھونٹ کی طرح قبول کرے گا، اور فنِ تعلیم کا یہی کمال ہے کہ کسی علم کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی جائے، میرے خیال میں لفظ "قابلیت" جو ہمارے روزمرہ میں داخل ہے، وہ قبول علم کی صلاحیت کو کہا جاتا ہے، نہ کہ حصول علم کو۔

یہ سلسلہ اس لائق ہے کہ اس کی تقلید کی جائے اور ہر زبان میں اس طرح کی ریڈریں تیار ہوں، بدقسمتی سے آزادئ ہند کے بعد سے جو ریڈریں ہندوستانی مدارس کے لئے لکھی گئی ہیں، ان کا ہدف، علم الاصنام اور قدیم دیومالاؤں کے واقعات اور منتروں کی تعظیم کا جذبہ ابھارنے پر مرکوز رہا، پاکستان میں اس کے جواب میں "مسلم نیشنل ازم" کا جذبہ ابھارنے اور چند شخصیات کی تصویریں "اِن لارج" کرنے میں صرف ہوئیں، مجھے معلوم نہیں کہ بنگلہ دیش میں بچوں کی ذہنی پرورش کے لئے جو کتابیں تیار کی گئی ہیں ان کا کیا رخ ہے، مگر باہمی منافرت کی فضا میں کوئی بڑی توقع قائم کرنا مشکل ہے، اگر اسی انداز پر ریڈریں تیار کی جائیں اور سنّت تدریج کا لحاظ رکھا جائے تو خواہ کسی زبان کا سکھانا مقصود ہو، آئندہ آنے والی نسل اپنی اپنی ثقافت اور اسلامی تصور سے بیگانہ نہیں رہے گی۔

پروفیسر سید حبیب الحق ندوی

ادب و مذہب

عالمی شہ پاروں کا تنقیدی مطالعہ

مواد و ہیئت (MATTER AND FORM) ادب کی اساس ہیں لیکن جو مسئلہ ہنوز ادب کا نزاعی مسئلہ ہے، وہ یہ ہے کہ آیا مواد میں عقائد (BELIEFS) کی آمیزش جائز ہے یا ناجائز؟ فن برائے فن کے طرف دار عقائد کی آمیزش کے منکر ہیں۔ ان کے خیال میں ادب ادب ہے، فلسفہ، دینیات، سیاسیات و معاشیات کا پروپیگنڈہ نہیں تخلیقی ادب میں وارداتِ قلب کوائفِ نفس اور جمالیاتی شعور کے سوا کچھ اور پیش کرنا ان کے نزدیک بے ادبی ہی نہیں، بلکہ انشائی شعور (CREATIVE SENSE) کے منافی بھی ہے۔

ممکن ہے تنقیدی مباحث کی حد تک یہ نظریات درست ہوں لیکن تخلیقی تجربہ اس کے خلاف ہے۔ ادب، نظم ہو یا نثر، شاعر کی شخصیت اور اس کے عقائد کی جھلک سے مبرّا نہیں ہو سکتا، درحقیقت شخصیت ایک وسیع لفظ ہے، جمالیاتی شعور ہو یا دینی عقائد، سیاسی و سماجی نظریات ہوں یا معاشی طرزِ فکر سب شخصیت کا جزو لاینفک ہیں اور وہ انشائی ذات (CREATIVE-SELF) کا حصہ ہیں۔ ہر عقیدہ خواہ دینی ہو یا غیر دینی، سیاسی ہو یا غیر سیاسی، فنکار کے عقائد کا جزو ہے اور یہی مختلف عقائد اس کی شخصیت کے اجزاء ترکیبی ہیں۔

کسی ایک ملک و قوم کا ادب نہیں، عالمی فن پارے اس نظریے کی تائید کرتے ہیں مغرب کا ادب ہو یا مشرق کا، نظم ہو یا نثر، غزل ہو یا مرثیہ، مدح ہو یا ہجو، رزمیہ ہو یا بزمیہ، طربیہ ہو یا المیہ،

ہر صنفِ ادب فن کار کے عقائد سے متأثر ہوتی ہے کسی دور کا ادب محض فنی محاسن اور صنائع و بدائع کی بنا پر مقبول نہیں ہوتا۔ اس کی مقبولیت میں ان عقائد کا بھی دخل ہوتا ہے جو اس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ دانتے کی کامیڈی اس لئے معروف و مقبول نہیں کہ وہ محض مابعد الطبیعیاتی شاعری ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں مذہبی عقائد کی آمیزش ہے۔ ملٹن کے فن پاروں کی مقبولیت میں ان دینی عقائد کا بھی دخل ہے جو بائبل کی اساس ہیں۔ ہومر (HOMER) اور ورجل (VERGIL) کی مقبولیت کا مدار جہاں قومی عروج و زوال کی رزمیہ نگاری پہ ہے وہیں وثنی عقائد جو حوادثِ رزم کی جان ہیں ادب میں روح کی طرح سرایت کئے ہوئے ہیں۔ اگر ان فن پاروں سے وثنی عقائد نکال لئے جائیں۔ دیوی دیوتاؤں اور خداؤں کو خارج کر دیا جائے تو رزم (EPIC) کی نہ صرف جان جاتی رہے گی بلکہ ادب کا سارا زور بھی ختم ہو جائے گا اور کہانی کا پلاٹ درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ کہانی کو آگے بڑھانے اور واقعات کے ارتقاء میں عقائد کا ہر جزو مساوی طور پر معاون ہے۔ ہر عقیدہ گھڑی کے پرزے کی طرح اہم ہے، اگر ایک پرزہ بھی نکال لیا جائے تو گھڑی غیر متحرک ہو جاتی ہے عقائد ذہنی جبلیات، شعور، وارداتِ قلب اور کوائفِ نفس، رقیق جذبات اور نفسیاتِ انسانی سب ادب کے مختلف پرزے ہیں، اگر زندگی بحیثیت مجموعی ادب کا خام مواد ہے تو اس کے دائرہ سے زندگی کا کوئی مسئلہ باہر نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت مغربی ادب کے ساتھ ہی خاص نہیں مشرقی ادب کا بھی یہی حال ہے۔ رومی یا ابن العربی کے شاہکار مثلاً مثنوی اور فتوحاتِ مکیہ وغیرہ سے تصوف کا جزو نکال دیا جائے تو وہ رومی اور ابن العربی کے سوا سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اقبال کے کلام سے شاعر کا پیغام درمیان سے خارج کر دینے کے بعد وہ شاعری تو رہ سکتی ہے اقبال کی شاعری نہیں ہو سکتی۔

گفتگو چونکہ محدود ہے لہذا تبصرہ کو مغربی ادب تک ہی محدود رکھنا مناسب ہوگا۔ مغربی ادب کا نسب نامہ ہومر (HOMER) سے ملتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہومر کی ذات خود مجہول الحال ہے اس کی زندگی لامعلوم اور شخصیت غیر متعین ہے۔

ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسے

انیسویں صدی عیسوی تک ناقدین کا ایک گروہ ہومر کے وجود کا منکر تھا۔ اس کے نظریہ کے

مطابق ہومر ایک فرد کے بجائے مختلف مصنفین پر مشتمل ایک انجمن یا ادارہ تصور کیا جاتا تھا نیز الیڈ اور اوڈیسے مختلف فن کاروں کی فنی کاوش کا نتیجہ کہے جاتے تھے بیسویں صدی کے ناقدین ہومر کی ذات پر متفق ہوئے اور مذکورہ بالا تصنیفات کو اس کی تخلیق قرار دیا۔ غرض مغربی ادب کی نسل یونانی ادب پاروں الیڈ اور اوڈیسے سے چلی۔ یہ دونوں طویل رزمیے یونان کی قومی عظمت و شجاعت کا ترانہ ہیں۔ اس سانچہ میں بعد کا مغربی ادب ڈھلتا رہا۔ جلاوت، اثر، المناکی، منظر نگاری، شوکتِ بیان اور طلاقت لسانی، ساخت اور ٹکنیک میں انھیں نمونوں کی پیروی ہوتی رہی، ورجل کی لازوال تخلیق اینائڈ (AENEID) اسی نمونہ پر ڈھل کر منظرِ عام پر آئی، اور زوداشری میں ہومر سے بازی لے گئی۔

ناقدین کے تخمینہ کے مطابق الیڈ ۷۵۰ قبل مسیح اور اوڈیسے سے ۲۵ قبل مسیح میں لکھی گئی نظم کے موضوع و مضامین پر ناقدین کا اختلاف ہنوز باقی ہے، ایک مکتبِ فکر اسے غیر تاریخی، غیر ثقہ اور مجموعۂ خرافات قرار دیتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ واقعات چونکہ زمانہ ماقبل تاریخ سے متعلق ہیں، لہٰذا مشکوک اور غیر تاریخی (LEGENDS) ہیں۔ دوسرا مدرسۂ فکر ان واقعات کو تاریخی حقائق قرار دے کر ثقہ تسلیم کرتا ہے۔ اوّل الذکر کی توجیہہ کے مطابق ہومر چونکہ آٹھویں صدی قبل مسیح کا فن کار ہے، اور تاریخی دور ساتویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے، لہٰذا ان واقعات کو تاریخی قرار دینا غیر علمی روش ہے۔

الیڈ اور اوڈیسے دونوں ۲۴ ابواب پر مشتمل یونان اور ٹرائے (TROY) کی جنگ (TROJAN WARS) کی داستانیں ہیں۔ اوّل الذکر، جنگ کے وجود و اسباب، مناظرِ جنگ اور دیگر حوادث کا تذکرہ ہے، اور آخر الذکر، جنگ کے بعد یونانیوں کی واپسی، بالخصوص اوڈیسے کی رودادِ سفر (ADVENTURES) ہے۔

شاہ ٹرائے کا لڑکا پاریس (PARIS) سیاحت کی غرض سے اسپارٹا (SPARTA) پہنچا جہاں شاہ مینی لاس (MENELAOS) نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی، چلتے وقت پاریس اپنے محسن مینی لاس کی بیوی ہیلن (HELEN) کو اس کی مرضی سے اپنے ساتھ لے گیا اور ٹرائے (TROY) پہنچ کر دونوں زن و شوہر کی زندگی گزارنے لگے۔

اس حادثہ سے یونان کی عزت و عظمت کو شدید صدمہ پہنچا۔ جذبۂ انتقام سے سرشار یونان نے ہیلن کی بازیابی کے لئے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ پڑوس کے نواب، شہزادے اور حکمران اس کے حلیف ہوئے۔ ایک ہزار سے اوپر جنگی جہاز تیار کئے گئے۔ یونان کے ہیرو (ابطال) جنگجو اور پہلوان آمادۂ پیکار ہوئے۔ جنگ کے بعد ٹرائے میں داخلہ ہوا لیکن قبضہ نہ ہو سکا۔ نو سال تک شہر کا محاصرہ رہا۔ قرب و جوار

میں سلب و تہب کا سلسلہ جاری رہا۔ دسویں سال یونانی کمانڈروں (AGAMENON) اور ACHILLEUS میں نا اتفاقی ہوئی، اچالیس اپنے رفقاء اور سپروؤں کے ساتھ میدان کارزار سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس کے علیٰحدہ ہوتے ہی یونانیوں پر قیامت ٹوٹی۔ پارس کا بھائی ہکٹر (HECTOR) پوری طاقت سے حملہ آور ہوا۔ یونانی فوج کو شدید نقصان پہنچا، اس کے مسلح جہازوں کی بربادی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اچالیس کی غیرتِ قومی جوش میں آئی۔ وہ میدانِ جنگ میں واپس آیا اور نقشہ کارزار کو بدل دیا۔ ہکٹر کو قتل کر کے یونانیوں کو بچا یا اور ٹرائے (TROY) کو برباد کر دیا۔ اس وقت تک مکمل فتح نہیں ہو سکی۔ اچالیس فتح سے قبل ہی مر گیا، اور فتح و فیروزمندی کی مسرت میں شریک نہ ہو سکا۔ اس طرح ایلڈ در حقیقت اچالیس کا المیہ (TRAGEDY OF ACHILLEUS) بن گئی۔

بعد میں ٹرائے (TROY) فتح ہوا۔ دفاع کرنے والے تہہ تیغ کئے گئے اور بقیہ شہری غلام بنائے گئے۔ اس طرح ٹرائے خداؤں کے حکم و فرضیات ہدایات اور حوصلہ افزائیوں کی بدولت ویران کر دیا گیا۔ جنگ کے بعد یونانیوں کی واپسی ہوئی۔ سفر راہ کے مصائب، اوڈیسے کی سیاحت کے طویل رنگارنگ واقعات اور مافوق الفطرت عناصر کی ہوشربا داستانیں اور وطن اتھاکا (ATHAKA) تک پہنچنے کی کہانیاں، دوسری معرکۃ الآراء نظم اوڈیسے کا خام مواد ہیں۔ ورجل کی اینائڈ اور دانتے کی کامیڈی بھی سفرنامہ ہیں لیکن وہ اوڈیسے سے مختلف ہیں۔

ہومر کی دونوں کہانیوں پر دینی عقائد کا کہرا چھایا ہوا ہے۔ یونانی خداؤں، دیوی اور دیوتاؤں کی مداخلت عام ہے۔ ہومر کے خدا انسانی لذت و شہوت کے عادی اور انسانی جذبات، مثلاً محبت و نفرت، غیظ و غضب، حسد و رقابت اور جذبۂ انتقام کا شکار ہیں۔

ہومر نے ادب کے مواد میں عقائد کی بھرپور آمیزش کی ہے۔ مواد کی آرائش اور پلاٹ کے ارتقاء کے لئے وہ اولمپیا کے خداؤں (OLYMPIAN GODS) کا بکثرت استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر حوادث کا ارتقاء بعض اوقات ناممکن ہے۔ تھسالی (THESALY) اور مقدونیہ کے درمیان ۲۵ میل تک پھیلا ہوا طویل پہاڑی سلسلہ اولمپس (OLYMPUS) کے نام سے موسوم تھا۔ یہ یونانی خداؤں کا وطن تھا۔ اولمپس یونان کے بارہ عظیم خداؤں میں سے ایک تھا، جو جبل اولمپین (OLYMPIAN) پر سکونت پذیر تھا۔ یہ سارے خدا انسانی معاملات میں دخیل تھے۔ ہومر کے ادب سے عقائد اور دیوی دیوتاؤں کا اخراج فن پارے

کا اتلاف ہے۔ اگر ذہنی عقائد کی مدد سے پلاٹ میں مدد نہ لی جاتی تو ہم عصر یونانی زندگی کی سچی تصویر بھی سامنے نہ آتی۔ مذہبی عقائد کی آمیزش کے ساتھ پوری یونانی زندگی کو ادب کے قالب میں ڈھال کر ہومر نے لازوال تخلیقی کارنامے سرانجام دیئے۔

ورجل کی اینائڈ

ورجل (VERGIL) شمالی اٹلی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس نے ملان (MILAN) اور نیپلز میں تعلیم پائی۔ ۲۳ سال کی عمر میں روم گیا اور سائرو (SIRO) سے تعلیم حاصل کی۔ سائرو اسٹوئک (STOIC) عقائد کا فلسفی تھا۔ ورجل کے عقائد سائرو کے فلسفہ سے غایت درجہ متاثر ہوئے۔ ۴۱ سال کی عمر میں وہ اپنے شاہکار کی تخلیق کی طرف متوجہ ہوا جو روما کی شوکت و عظمت کا ترانہ اور ورجل کے رفیق، تاجدار روم اگسٹس (AUGUSTUS) کی مدح سرائیوں کا مجموعہ ہے۔ ایلڈ اور اوڈیسے کے نمونہ پر ورجل نے اپنی اینائڈ (AENEID) لکھی جس میں اپنے سیاسی عقائد کی تشریح کی اور ساتھ ہی روما کی نشأۃ ثانیہ کی آرزو کا اظہار کیا۔

ورجل کا ہیرو (بطل) اینیاز (AENEAS) ٹرائے کا باشندہ تھا جو یونان اور ٹرائے کی جنگ (TROJAN WARS) میں تنہا چند رفقاء کے ساتھ بچ نکلا تھا۔ اسے خداؤں کا حکم ہوا کہ وہ اپنا وطن ترک کر کے مغرب کا سفر کرے۔ اینیاز کے سفر سے متعلق تمام خرافات اور غیر تاریخی واقعات (LEGEND AND MYTHS) کے ذریعہ ورجل اپنی کہانی کی آرائش کرتا ہے۔ ناقدین متفق ہیں کہ ورجل نے تمام سنجیدہ مغربی شاعری (SERIOUS POETRY) کو تکنیک اور اسلوب میں متاثر کیا کیونکہ ورجل شاہی اختیارات (PREROGATIVES) اور ریاست کے فرائض (FUNCTIONS) کی توضیح و تفسیر بھی پیش کرتا ہے۔

ورجل یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ روم کی تاسیس، تاریخی عظمت رومی باشندوں کی بدولت نہیں بلکہ یہ محض خداؤں کے منشاء یعنی ان کی پلاننگ اور اسکیم کا نتیجہ ہے۔ چونکہ خدا روما کی عظمت و سروری کے خواہاں تھے، اس لئے روم کو عزت نصیب ہوئی اور قومی تاریخ ملی منشور بن گئی۔ چونکہ روم خداؤں کے ذریعہ وجود میں آیا، اس لئے عوام کا فریضہ ہے کہ وہ خدائی مشن کی حفاظت کریں۔ تاسیس

روم کی تاریخ ورجل یوں بیان کرتا ہے کہ تاجدارِ روم اگسٹس کے اسلاف قدسی (جو اینیاز ANEAS کی اولاد میں تھے) نے اس کی بنیاد رکھی۔ زوالِ ٹرائے کے بعد اینیاز خدائی الہام پر اپنے رفقاء اور اہلِ خاندان کو لے کر مغرب کی جانب ارضِ موعودہ (PROMISED LAND) کی تلاش میں نکل پڑا۔ ہوشربا مراحلِ سفر پیش آئے۔ ہمت ہار کر وہ اور اس کے رفقاء نے دورانِ سفر میں کہیں متوطن ہونے کا فیصلہ کیا، کارتھیج (CARTHAGE) میں ڈیڈو (DIDO) کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا لیکن خداؤں کی ہمت افزائی اور الہام پر وہ آگے چل پڑا اور بالآخر اٹلی پہنچا۔ ہاڈس (HADES) سے ملا، جس نے اس کی اولاد کے تابناک مستقبل کی پیش گوئی کی۔ وہ تیبر (TIBER) پہنچا اور مقدس شہر روما کی بنیاد رکھی، یہ سعادت اس کی تقدیر کا نوشتہ تھا۔ خدا اس کے ساتھ تھے۔ اسی لئے روما پھلا پھولا اور عالمگیر شہرت و عزت کا مالک بن گیا۔ اس شہر کے باشندے اور نئے آنے والے جونو (JUNO) کے حکم سے لاطینی (LATINS) کے نام سے موسوم کئے گئے۔

چونکہ اینیاز خدا کا فرستادہ تھا اور اگسٹس اسی خاندان کا ایک فرد تھا۔ لہٰذا فرمانروائے روم کا فرض تھا کہ وہ روما کی تقدیر کو اجاگر کرے اور موجودہ بدحالی دُور کرے ورنہ خداؤں کی ناراضی اس کی تباہی کا سبب بنے گی۔ دراصل ورجل کا دَور سیاسی بحران اور اخلاقی زوال کا دَور تھا۔ انتونی اور قلوپطرہ کے دَور سے تا زمانۂ حال کوئی سو سال سے روم خونیں خانہ جنگیوں کا شکار تھا۔ قیامِ امن کی شدید ضرورت تھی، ایک طاقت ور بادشاہی اس انتشار کو دُور کر سکتا تھا۔ سیاسی امن اور اخلاقی احیاء کے لئے خدا نے اگسٹس کو بھیجا تاکہ عہد آفریں اصلاحات کا آغاز ہو۔ یہ فریضہ تاجدارِ روما کے ذمّہ خداؤں کی طرف سے (DIVINELY ORDAINED) سپرد کیا گیا۔

ورجل خود وطنی تھا۔ سارا روم وطنی تھا، لہٰذا دیوی اور دیوتاؤں کے بغیر عصری عقائد کی عکاسی ناممکن تھی۔ ہومر کا خدائے برتر زیس (ZEUS) تھا لیکن ورجل کا برتر خدا پیٹر (JUPITER) تھا۔ لیکن وہ زیس (ZEUS) کی طرح کمزور نہیں تھا، بلکہ طاقت ور تھا اور اولمپیا (OLYPIAN) کے تمام دوسرے خدا اس کے تابع تھے۔ وہ اس کی مرضی اور حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

ورجل کے مواد میں زیادہ ندرت نہیں۔ وہی یونانی مواد اور واقعاتِ سفر ہیں۔ ہومر سے وہ ساخت میں کچھ مختلف ضرور ہے۔ ورجل کی رزمیہ نظم (EPIC) بیان، طرزِ ادا، تخیل اور جذباتی اثریت میں غزل (LYRICS) سے زیادہ قریب ہے لیکن بنیادی طور پر ہومر اور ورجل دونوں کا مقصود

قومی افتخار، شجاعت کے قصے و ثنی عقائد کی آمیزش کے ساتھ بیان کرتا تھا۔

ملٹن کی فردوس گم گشتہ

دانتے اور ملٹن وثنی ہومر اور ورجل سے مختلف ہیں۔ یہ دونوں عیسائی مذہب کے نقیب ہیں۔ ایک خالص کیتھولک نظریات کا ترجمان ہے دوسرا پیورٹن (PURITAN) عقائد کا مبلغ ۱۶۶۷ء میں ملٹن نے فردوس گم گشتہ (PARADISE LOST) لکھی۔ یہ شاہکار (MASTERPIECE) ہومر اور ورجل کے فن پاروں کا مدِّ مقابل تصوّر کیا جاتا ہے۔ عقائد و نظریات میں نہیں۔ فنی پیش کش اور تخلیقی اپج میں۔ ملٹن کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ خالص پیورٹن (PURITAN) عقائد کا حامی تھا۔ چرچ کی اصلاح اور مروجہ مذہب کے بے جان مناسک کے خاتمہ کے لئے پیورٹن تحریک کا آغاز ملکہ انگلستان الزبتھ کے دور میں ہوا۔ یہ تحریک پیورٹن انقلاب (PURITAN REVALUTION) کے نام سے معروف ہے۔ اسی تحریک نے تاجِ برطانیہ کو ہلا دیا۔ حکومت پر قبضہ کرلیا لیکن کامیابی کے بعد زعمائے انقلاب میں نااتفاقی ہوگئی۔ برسرِ اقتدار پیورٹن حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور شاہی خاندان اسٹوارٹ تاجِ انگلستان پر دوبارہ قابض ہوگئے جسے تاریخ میں عود شاہی ۱۶۶۰ء (RESTORATION–1660) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پیورٹن تحریک کا اصل منشور مذہبی حکومت (THEOCRACY) کا قیام اور خالص مذہبی بنیادوں پر بائبل کی روشنی میں سماجی زندگی کا احیاء تھا لیکن سترہویں صدی تک یہ تحریک ختم ہوگئی۔ ملٹن خالص پیورٹن عقائد کا حامی تھا۔ مذہبی زندگی کو برپا کرتے اور بائبل کے قوانین و احکامات کے احیاء کا آرزو مند تھا۔ عرصہ سے اس کی تمنا تھی کہ وہ قومی رزم لکھے جو پیورٹن تحریک کی کامیابی کا ترانہ ہو لیکن تحریک کی ناکامی کے بعد ملٹن کے جذبات سرد ہوگئے۔ شاہی حکومت کی بحالی کے بعد ملٹن پر سخت جرمانے لگائے گئے۔ اس سیاسی انتقام سے آزردہ خاطر اور مایوس ہوکر وہ ہمیشہ کے لئے گوشہ نشین ہوگیا۔ بائبل اس کی زندگی کا نقطۂ آغاز اور منتہائے پرواز ہوگئی۔ اس المناک گوشہ نشینی میں اس نے تین عظیم مذہبی نظمیں لکھیں، جو مواد کے اعتبار سے خالص دینی (POEMS OF RELIGIOUS IMAGINATION) ہیں۔ (۱) فردوس گم گشتہ (۲) فردوس بازیافتہ (۳) سیمسن اگونسٹز (SAMSON AGONISTES) ان تخلیقات کو مغربی ادب کا عروج تصوّر

کیا جاتا ہے۔ یہ تخلیقات ادبی، فنی اور جمالیاتی عروج کے ساتھ ہی مذہبی عقائد کا بھی عروج ہیں۔

ملٹن ۲۴ سال کی عمر سے قبل یعنی ۱۶۵۲ تک مکمل نابینا ہو چکا تھا۔ بینائی کھونے کے بعد فکر و تدبر کی طاقت اور دینی بصیرت میں روز افزوں اضافہ ہوا۔ وہ نظام الہائیات پر تامل کرنے کا عادی ہو گیا۔ اسی لئے آدمؑ، عیسیٰؑ اور سیمسن اس کے فن پاروں کا موضوع ہیں۔

فردوس گم گشتہ (۱۶۶۷ء) درحقیقت سقوط آدمؑ کی داستان ایک رزمیہ نظم (EPIC OF THE FALL OF MAN) ہے عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا اقرار نامہ ہے ملٹن عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کو پیدائشی عاصی تصور کرتا ہے۔ یہ گناہِ آدم یا نافرمانی آدم کی سزا ہے، جو ہر ابنِ آدم کی گردن پر ہے عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نے اپنی قربانی کے ذریعہ اس نافرمانی کا کفارہ ادا کیا۔ لہٰذا بنی آدم کا گناہ اسی وقت دُھل سکتا ہے جب وہ عیسیٰؑ کو ابن اللہ تسلیم کریں۔ اس عقیدہ کے منکرین عاصی ہیں اور جہنمی بھی۔ ان کی نجات (SALVATION) ممکن نہیں۔ اسی قربانی کی بدولت عیسیٰ بنی آدم کے نجات دہندہ (SAVIOUR) کہے جاتے ہیں ہیئت میں ملٹن نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ ورجل کی پیروی کی ہے۔

فردوس گم گشتہ کا مواد بائبل تالمودی روایات اور عیسائی چرچ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ رزم کی ہیئت و تکنیک میں ملٹن نے ورجل و ہومر کی پیروی کے ساتھ عام رزمیہ روایات کی پابندی بھی کی ہے مثلاً ملٹن افتتاحی اشعار میں ہی غرضِ تصنیف، موضوعِ تصنیف کی وضاحت کرتا ہے۔ الہامی دیوی (MUSE OF INSPIRATION) سے استدعا کرتا ہے۔ وسط حوادث سے کہانی کا آغاز کرتا ہے ہیرو کے اعداد و شمار پیش کرتا ہے۔ یہ سب رزمیہ نظم کی قدیم روایات (CONVENTIONS OF EPIC) تھیں جن کا ملٹن نے پابندی کے ساتھ التزام کیا ہے۔ البتہ اس کی نظم معرّا (بلنک ورس) ہے۔

ابتدائی ابواب میں شیطان فعال ہے متحرک ہے پیکرِ عزم آہنیں ہے۔ غرور و تکبّر کا مجسمہ ہے، اعترافِ جرم و شکست اس کی فطرت کے خلاف ہے لیکن جوں جوں غرور و نخوت کی کمزوریاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں شیطان کا کردار کمزور ہوتا جاتا ہے اور آدمؑ کا کردار جرم کے باوجود اعترافِ جرم کی بنا پر بلند و برتر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد آدم من حیث کردار ابھرتا ہے۔ اور شیطان ڈوبتا ہے نظم میں شعری تنوع، المیہ نگاری، بیانیہ اسلوب، لطافت و ذہانت کی آمیزش ہے۔

البتہ سماوی مناظر کچھ کمزور اور غیر حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ نیز خدا کی گفتگو یا مکالمہ میں غیر ضروری افسردگی ہے۔ ان تمام محاسن و معائب کے باوجود فردوس گم گشتہ ایک ادبی شاہکار ہے۔ کیا اس کی مقبولیت میں ان عقائد کو دخل نہیں جو فن پارہ کی اساس ہیں؟

فردوس بازیافتہ (PARADISE REGAINED)

۶۵-۱۶۶۷ء کے درمیان فردوس بازیافتہ منظر عام پر آئی۔ اس میں ملٹن نے عیسائی عقیدہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ دکھانے کی سعی کرتا ہے کہ جو جنت آدمؑ کے ہاتھوں گم ہوئی عیسیٰؑ کے ہاتھوں کس طرح واپس مل گئی۔ آدمؑ شیطان کے مطیع ہو گئے اور عیسیٰؑ نے شیطان کی تمام ترغیبات (عیسیٰؑ کو چار طرح کے لالچ شیطان نے دیئے جو بائبل میں TEMPTATIONS کے زیر عنوان مذکور ہیں) کو ٹھکرا دیا۔ اس نظم میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بعض واقعات بائبل کی روشنی میں دکھائے گئے ہیں۔ جان (JOHN) کے ہاتھوں عیسیٰؑ دریائے اردن (اس دریا کی تقدیس پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں ــ نہ صرف سرزمین اردن عیسائیت کی مقدس سرزمین ہے بلکہ اس کا ہر ذرّہ اور قطرہ دیوتا ہے) میں طاہر و مطہر (BAPTISED) کئے گئے۔ اس طہارت کے بعد کے واقعات اس میں درج ہیں۔

فردوس بازیافتہ ۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ جس میں شیطانی وساوس، تملق و لالچ اور عیسیٰؑ کے افکار اور عزم مصمم کی روایات بائبل کی زبانی پیش کی گئی ہیں۔

عیسیٰؑ آزمائشوں کے بعد ایمان میں پختہ نکلے اور فرشتوں نے آکر انھیں نبوت کا مژدہ سنایا۔ ملٹن نے اس نظم میں ہیرو کی خود آگہی (SELF-AWAREMESS) کو دکھانے اور ابھارنے کی سعی کی ہے۔ آدمؑ نافرمان نکلے لیکن عیسیٰؑ خدا کا بیٹا باپ کا مطیع نکلا۔

اس نظم میں ڈرامائی عناصر بہت کم ہیں۔ ورڈس ورتھ انگریزی شاعر کی یہ پسندیدہ نظم تھی۔ اسلوب اور پیش کش میں یہ نظم بلاشبہ فردوس گم گشتہ سے کمزور اور فروتر ہے۔ کیا یہ فن پارہ مذہبی عقائد کی اشاعت سے مبرّا ہے۔؟

ملٹن کی تیسری معرف مذہبی نظم سیمسن اگونسٹز (SAMSON AGONISTES) ہے۔

اس میں آرائش و ترصیع کی کمی ہے۔ یونان کے المیہ اسلوب کی پیروی کی ہے معروف ڈرامہ نگار سوفوکلز (SOPHOCLES) کا طرز اختیار کیا ہے عبرانی ہیرو سیمسن کی زندگی کے آخری دن کا واقعہ نقل کرتے ہوئے دکھاتا ہے کہ نابینا سیمسن ارضِ فلسطین کے اصلی باشندوں (PHILISTINES) کے ہاتھوں گرفتار شہر غازہ (GAZA) میں جبریہ محنت کا شکار ہے۔ اس کی بیوی بدقسمتی سے فلسطینی ہے جو غدّار اور بے وفا ہے۔ تقدیر کے ہاتھوں سیمسن مبتلائے عذاب ہے۔ آخر قومی جشن اور عید کے دن سیمسن کو حکم ہوا کہ وہ نوابوں اور امراء کی محفل میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے سیمسن نے انکار کیا آخر افسروں کے حکم پر اس نے اسمبلی کے ستونوں کو گرا کر خود اپنی جان دے دی اور حاضرین کی جان لے لی۔ اس طرح موت کے بعد مظلوم سیمسن خدا سے جا ملا۔ یہ واقعہ بک آف۔ ججز (BOOK OF JUDGES 3-16) سے ماخوذ ہے۔

درحقیقت ملٹن نے اس میں اپنی کہانی سیمسن کی زبانی بیان کی ہے۔

کیا ان زندہ حقائق کی روشنی میں کوئی ادبی ناقد یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ فن کے حریم ناز میں مذہب کو داخل ہونے کا حق نہیں۔

دانتے کی کامیڈی

ادبی مواد میں عقائد کی آمیزش کا ثبوت مندرجہ بالا عالمی فن پاروں کے مطالعہ سے واضح ہے لیکن دانتے درحقیقت مستثنیات میں سے ہے، جو ہیئت (FORMS) تک میں عقائد کی آمیزش کا قائل تھا۔ ہومر کی رزمیہ ہکسامیٹر (HEXAMETER) میں لکھی گئی ہے۔ ورجیل نے اسی کی پیروی کی ملٹن نے آزاد نظم کو ترجیح دی لیکن دانتے نے اپنے کامیڈی (طربیہ) کی تصنیف کے لئے نادر و نامانوس ہیئت ٹرزاریما (TERZARIMA) یعنی تثلیث قوافی کی ایجاد کی۔ دانتے نے اشعار کی ترتیب اور ابواب میں ہر جگہ عقیدۂ تثلیث کو زندہ رکھنے کے لئے تین ۳ اور نو ۹ وغیرہ کا توازن رکھا ہے۔ اس کے اشعار مثلث بند ہیں۔ جو عروجِ فن کے ساتھ مذہبی توغل کا بھی عروج ہیں۔

دانتے نے اپنے لازوال فن پارے کا نام کامیڈی رکھا۔ بعد کی نسل نے اس میں (THE DIVINE) کا اضافہ اس لئے کیا کہ یہ مافوق الفطرت شاعری تھی اور اس میں آسمان، ارواح، قدسیاتِ عالم بالا

اور غیر مرئیات کے تذکرے تھے۔ یہ اطالوی زبان میں پہلا عظیم شاہکار تھا جس کے سہارے زبان عہد طفولیت سے اچانک سن بلوغ کو پہنچ گئی۔

دانتے کی کامیڈی مغربی ادب میں بے پایاں اہمیت کی مالک ہے کیونکہ وہ اپنے نظریۂ گناہ (SINS) اور محاسن (VIRTUES) کی عکاسی تلمیحی (ALLEGORICAL) اور تمثیلی (ANALOGICAL) طرز سے کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب ہوا۔ روحِ انسانی کی نجات کے مختلف مدارج کی منظر کشی بھی کامیاب ہے۔ جدید ناقدین میں ٹی ایس ایلیٹ (T.S. ELIOT) دانتے کی شاعری کو اس لئے مابعد الطبیعاتی شاعری (METAPHYSICAL POETRY) قرار دیتا ہے کہ نظم کے ڈرامائی اور غزلی عناصر مذہبی اور تبلیغی عناصر پر غالب ہیں (ملاحظہ ہو ایلیٹ کا عالمانہ مقالہ زیر عنوان "دانتے"، مجموعہ مضامین، نیویارک ۱۹۳۲ء ص ۲۰۴)

راقم الحروف کو ایلیٹ کی رائے سے اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی اور تبلیغی عناصر ڈرامائی اور غزلی عناصر پر غالب ہیں۔ اس لئے اس شاعری کو کیتھولک مذہب کا صحیفہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈرامائی اور غزلی عناصر سب کیتھولک عقیدہ کی کامیاب ترجمانی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

دانتے وشنی ورجل (جسے دانتے اپنا استاد و رہبر تسلیم کرتا ہے) کے ساتھ جہنم کی سیر کرتا ہے۔ جہنم میں مجرمین کے خلاف نفرت بھڑکتی ہے۔ ساتھ ہی ہمدردی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اعراف میں دانتے متحرک و فعال نظر آتا ہے کیونکہ اعراف درحقیقت مادی دنیا کے حالات سے قریب تر ہے۔ جہاں توبہ اور امید کی ملی جلی فضاء موجود ہے۔ جہنم کے سفر میں دانتے شدتِ خوف سے کملایا ہوا نظر آتا ہے جنت یا عالمِ بالا اور عالمِ نور کی سیاحت میں جہاں اس کی محبوبہ بیٹرس راہبر ہے دانتے خدا کی ذات میں تحلیل ہو جانے کا آرزومند نظر آتا ہے کیونکہ تثلیث کا فلسفہ حلول کی تائید میں ہے۔ سفر کے آخری مراحل میں دانتے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ایمان کو منطق سے تعلق نہیں۔ ایمان کے سامنے قیل و قال کی گنجائش نہیں ہوتی۔

جنت میں فن کار ادب کے ذریعہ چرچ اور ریاست کی فطرت کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ چرچ اور ریاست دونوں من جانب اللہ ایک مشن کے حامل ہیں۔ اور ریاست و چرچ کی موجودہ کشمکش نہ صرف غیر فطری بلکہ منشاء الٰہی کے بھی خلاف ہے۔ پھر وہ امید و رجائیت کا اظہار کرتے ہوئے

لکھتا ہے کہ ریاست اور چرچ کے درمیان مفاہمت ناگزیر ہے کیونکہ برتوشتہ تقدیر ہے۔ پوپ جب شہنشاہ کے ماتحت اور پوپ و شہنشاہ دونوں جب خدا کے ماتحت ہوں گے تو عیسیٰ کا مشن پورا ہوگا۔

کامیڈی کا آخری باب مغربی ادب کا نقطۂ عروج (SUMMIT) تصوّر کیا جاتا ہے اس میں انسان کی روحانی خلش کا بھی عروج ہے۔ چاسر کے خیال میں یہ حصّہ قطعی الہامی ہے۔ ایسا الہامی ادب شائد ہی کسی دور میں کسی شاعر نے پیش کیا ہو۔

دانتے عہد وسطیٰ کے بدحال یورپ کا مسیحا تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اعتدال پسندی کا علمبردار کہا جاتا ہے عیسائیت کی زبوں حالی، چرچ اور پوپ کی روایت پرستی، سیاسی بحران، اخلاقی انحطاط نے یورپ کو گھن کی طرح کھوکھلا کر دیا تھا۔ دانتے ان حالات سے غیر مطمئن تھا۔ وہ خالص کیتھولک دین کے احیاء کا آرزومند تھا جس میں اس کے نزدیک یورپ کی نجات تھی۔ اسی لئے وہ اپنی کامیڈی میں تین مدارج قائم کرتا ہے جہنم، اعراف اور جنت جہنم میں وہ ان تمام مجرمین کو گنتا ہے اور ان کی بدحالی کا تذکرہ کرتا ہے جو حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے۔ نیز وہ جو ایمان تو لائے لیکن خالص کیتھولک عقائد کے مطابق زندگی گزارنے سے قاصر رہے۔ اعراف کے دوسرے درجہ میں وہ امید و بیم کی فضاء پیدا کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نجات کی صورت ہنوز اسی میں ہے کہ لوگ خالص عیسائی مذہب قبول کر لیں۔ جنت اور عالم بالا نور اور تثلیث کی دنیا ہے جہاں دیدار تثلیث کے بعد انسان کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

ہومر، ورجل، ملٹن اور دانتے مغرب کے ادبی خدا ہیں، اور ان کی تخلیقات کو دنیائے ادب میں جو مقام حاصل ہے محتاجِ بیان نہیں۔ گزشتہ صفحات میں ان کا سرسری جائزہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ ان فن کاروں نے اپنے مذہبی عقائد اور وقت کے عام دینی رجحانات کو کس طرح ادب میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ اس آئینے میں ہم اپنی تصویر دیکھتے ہیں تو عجیب صورت حال سامنے آتی ہے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی ادیب یا شاعر اسلام کا نام لیتا ہے تو اسے تمسخر و استہزا کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اہل مغرب علم الاصنام کی خرافات اور ادیانِ سماوی کی مسخ شدہ تعلیمات کو جزوِ ادب بنا کر پیش کریں تو وہ ہنر ٹھہرتا ہے اور مسلمان دینِ اسلام کی سچی آفاقی اور ابدی قدروں کو اپنے ادب میں جگہ دیں تو خود اپنوں ہی کی نظر میں مجرم قرار پائیں۔

عکسِ فن

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی
شعبۂ عربی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

۱۔ خطبۂ طارق بن زیاد ادب کے آئینہ میں

نوٹ: تاریخ اسلامی کے فاتحین میں ایک نمایاں نام طارق بن زیاد کا بھی ہے، جس نے اندلس کی مہم اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان کے حکم پر تیار کی، یہ تاریخ کی مشکل ترین جنگی مہم تھی، کئی بار اسلامی فوجوں کو ناکامی ہو چکی تھی، ایک بار موقع پاتے ہی طارق اپنی مختصر فوج کے ساتھ ساحل اندلس پر اتر گیا، اور بے مثال خطر پسندی و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ساری کشتیاں جلا دینے کا حکم دیدیا، تاکہ مجاہدینِ اسلام کے سامنے صرف فتح و نصرت کا راستہ رہ جائے شکست و فرار کی تمام راہیں بند ہو جائیں، چنانچہ اس حوصلہ مندی کا خاطر خواہ اثر ہوا، طارق کے ایک ایک سپاہی نے جان کی بازی لگا دی، اور رحمتِ ایزدی نے اپنی راہ کے مجاہدوں کی لاج رکھ لی، اندلس فتح ہو گیا، اور جہادِ اسلامی کی تاریخ پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گیا، یہاں تک کہ یہ واقعہ پختہ عزم و ارادہ کے اظہار کے لئے ضرب المثل بن گیا، آج "کشتیاں جلانے" کی تعبیر انگریزی، اردو نیز دوسری کئی ایشائی اور یورپی زبانوں میں معروف محاورہ بن گئی ہے۔

یاد رہے کہ طارق بن زیاد اپنے جانبازوں کے ساتھ جب عازمِ اندلس تھا تو وہ کوئی پختہ عمر کا جہاندیدہ کمانڈر نہ تھا، اس نے اس سے پہلے زندگی کی صرف اٹھارہ بہاریں دیکھیں تھیں، لیکن جوش و جذبۂ جہاد اپنے ایک ایک سپاہی کی طرح اس کے سینہ میں بھی موجزن تھا۔

اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اسے شاید صرف ایک فوجی قائد اور مہم جو سمجھتے ہوں،

اس کی ان صفات سے انکار نہیں، لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک شعلہ بار خطیب بھی تھا جس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جہاں اپنی تاثیر اور "از دل خیزی و بہر دل ریزی" کی بدولت عزم وولولہ کا طوفان برپا کر دیتے تھے، وہیں وہ کلاسیکی ادب عالی کا جیتا جاگتا شاہکار بھی تھے، ہر چند کہ "ذہن ہندی" "نطق اعرابی" کی کماحقہ ترجمانی نہیں کر سکتا، تاہم اس کی ایک ہلکی سی جھلک ٹھیک ہندی کے ذریعہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(ص ح ن)

اے لوگو!
فرار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔
پُرشور سمندر تمھارے پیچھے ہے۔
خونخوار دشمن تمھارے سامنے۔
راستی و پامردی کے سوا اب کوئی چارہ نہیں۔
صدق وصفا اور تسلیم ورضا ہی نصرتِ الٰہی کی شاہ کلید ہے۔
خوب سمجھ لو!
تمھاری حیثیت اس جزیرے میں اس یتیم سے بدتر ہے جو خوانِ لئیم پر بیٹھنے کے لئے مجبور ہو۔
آج دشمن اپنے لشکر جرّار کے ساتھ تمھیں للکار رہا ہے۔
اپنے سامانِ رسد اور آتش و آہن پر اسے بڑا گھمنڈ ہے۔
اور تم .... کہ ان ٹوٹی پھوٹی تلواروں کے سوا تمھارا کوئی سہارا نہیں۔
ایک لقمۂ خشک بھی تمھیں تب ہی میسر آئیگا جب پنجۂ غنیم سے اسے چھین لینے کا دم خم تمھارے اندر موجود ہو۔
یہ نہ بھولنا کہ اگر تمھاری بے سروسامانی دیر تک قائم رہی، اور کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھا سکے۔
تو تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، تمھارا نصیبہ بگڑ جائے گا۔
دشمن کے دل سے تمھارا رعب داب جاتا رہے گا۔
تمھارے خلاف اس کے حوصلے بڑھیں گے اور وہ تم پر جری ہو جائے گا۔

ایسا بُرا وقت آنے سے پہلے کمر کس لو۔
اور اس ظالم سے پنجہ آزمائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔
کہ اس وقت اپنے قلعہ بند شہر سے باہر وہ تمھارے تیروں کی زد پر ہے۔
اس زرّیں موقع کو ہاتھ سے مت جانے دو۔
اس کا لمحہ وصول کیا جا سکتا ہے۔
بس ایک بار موت کو گلے لگانے کا عزم کر ڈالو۔
یہ یقین رکھو کہ میں تمھیں کسی ایسی آزمائش میں نہ ڈالوں گا جس سے خود مامون و محفوظ رہوں۔
نہ تمھیں ایسے معرکہ پر تنہا جانے کے لئے کہوں گا جس میں جان سے ارزاں تر دوسری کوئی شئے نہیں۔
میں اللہ کا نام لے کر اپنے آپ سے شروع کرتا ہوں۔
یاد رکھو!
آج اس کرب و ابتلاء پر تھوڑا سا صبر۔
دائمی راحت اور عیش سرمدی کی ضمانت ہے۔
تم اپنے دلوں میں کسی غلط فہمی و بدگمانی کو راہ نہ دینا۔
کہ آج کی جانکاہی و جگر سوزی میں شاہ و گدا کی کوئی تفریق نہیں۔
طارق بن زیاد اور اس کی فوج کا ادنیٰ سپاہی۔
دونوں اس امانت کے یکساں پاسدار ہیں۔
یہ تو تمھیں معلوم ہی ہو چکا ہے۔
کہ اس جزیرہ کی مٹی میں کیسے کیسے لعل و جواہر پنہاں ہیں۔
اس کی زرخیزی دریوزہ گر نہیں رہی۔
ٹھنڈے سائے، میٹھے پانی اور پھل پھول کی یہاں بہتات ہے۔
امیر المؤمنین ولید بن عبد الملک نے غازیانِ صف شکن کے ہراول دستے۔
یا اس ارضِ موعود کے لئے ایک بیعانہ کے طور پر تمھیں منتخب کر لیا ہے۔
وہ اس ملک میں تمھارے گھر بسانا چاہتے ہیں۔

تمھاری آنکھیں یہاں روشن ہوں اور تم یہاں شاد و خانہ آباد رہو۔
ان کو پورا بھروسہ ہے کہ نیزہ بازی تمھارا روزمرہ کا کھیل۔
اور بڑے بڑے سورماؤں کے ساتھ شمشیر زنی تمھاری پسندیدہ ترین ورزش ہے۔
"جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا"
تمھارے لئے تو بس۔
"لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ"
تاکہ اس دور دراز جزیرہ کے اندر۔
توحید الٰہی اور پیغام محمدی کی تبلیغ و اشاعت کے اجر عظیم میں۔
تمھارے ساتھ ساتھ امیر المؤمنین بھی حصہ دار بن سکیں۔
لیکن اس جہادِ مقدّس کے مادّی منافع۔
بلا شرکتِ غیرے صرف تمھارے حصہ میں آئیں۔
تمھارے سوا نہ خلیفہ کا اس میں کوئی حق ہوگا۔
نہ عام مسلمان اس کے شریک و سہیم بن سکیں گے۔
خدائے ذوالجلال تمھاری فتح و نصرت کا ضامن ہے۔
دو جہان کا گوشہ گوشہ تمھارے ذکر و شکر سے مہک اٹھے گا۔
دیکھو! جو دعوت آج میں تمھیں دے رہا ہوں۔
اس پر لبّیک کہنے والا اوّلین شخص میں خود ہوں۔
دونوں فوجوں کے آمنے سامنے ہوتے ہی روم کے اس ڈکٹیٹر لذریق پر۔
میں خود حملہ کر کے انشاء اللہ اس کا کام تمام کر دوں گا۔
تم سب مل کر بیک وقت میرے ساتھ اس پر کاری وار کرو۔
اسے کیفر کردار تک پہنچا کر میں اپنے رب سے جا ملوں۔
تو تم بے فکر و مطمئن ہو سکتے ہو۔
کہ میرے بعد تم میں دانا و بینا جانبازوں کی کمی نہیں۔

ان میں کسی کو بھی امور سلطنت و قیادت کی ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے۔
ہاں! اگر اس ظالم کی گردن تک دستِ قضا کی رسائی سے پہلے ہی میں واصل بحق ہو جاؤں تو میرے اس عزم و ارادہ کی تکمیل تم پر واجب ہے۔
جی جان لگا کر پوری طاقت سے اس پر وار کرو۔
اور یہ نہ بھولو! کہ اس جزیرے کی فتح۔
اور اس معرکۂ حق و باطل میں تمھاری سرخروئی۔
صرف اور صرف اس کے قتل پر منحصر ہے۔

والسلام

۲۔ فاتحِ اندلس طارق بن زیاد کی دعاء

(شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے الفاظ میں)

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے — جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم، ان کی ٹھوکر سے صحراء و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیئے اس کو خونِ عرب سے

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا — خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو — وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو — ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے — وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

مکھّی کا غرور

مصطفےٰ صادق الرافعی ـــ ترجمہ ـــ مولانا شمس الحق ندوی

کتابوں میں ایک قصہ منقول ہے جو بڑا دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

کہتے ہیں ایک کالی مکھی نہایت درجہ بے وقوف تھی، ایسی کہ اگر وہ روشنائی کا قطرہ بن جاتی تو اس سے حماقت و بے وقوفی ہی کا لفظ لکھا جا سکتا تھا، یہ تھی اس کی حماقت کی انتہا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ یہ مکھی ایک بہت موٹی کالی کالی حبشی عورت کے چہرے پر جا بیٹھی، اور اپنے سے اس کا موازنہ اور مقابلہ کرنے لگی، اور پھر بولی کہ دنیا کا کوئی نظام و قانون نہیں ہے جو کچھ ہو رہا ہے ایک امرِ اتفاقی کے طور پر محض لغو اور بے کار ہو رہا ہے۔ انبیاء نے لوگوں سے جو کچھ کہا ہے لغو محض اور سر تا سر جھوٹ ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو بھلا میں اور یہ موٹی اور بڑی مکھی جس پر میں سوار ہوں دونوں برابر کیسے ہوتیں، یہ عالم کے بے نظام اور کیف ما اتفق ہونے کی سب سے بڑی دلیل اور ثبوت ہے۔

ایسے ہی ایک رات اس نادان مکھی نے آسمان کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ ستارے جگمگا رہے ہیں ان کے درمیان چاند دمک رہا ہے، یہ منظر دیکھ کر بولی کہ دنیا کے بے نظام ہونے، دینوں اور مذاہب کے غلط ہونے اور اتفاقات کے مہمل ہونے کی یہ دوسری دلیل ہے، دین و ایمان عین بے دینی اور الحاد ہے۔ ورنہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ہم کو زمین پر رکھا گیا اور سفید مکھیوں اور ان کی ملکہ کو آسمان میں رکھا گیا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ یہی نادان مکھی کسی کسان کے گھر جا پہونچی اور اِدھر اُدھر اڑتی رہی کہ اتنے میں چراگاہ سے کسان کی گائے واپس آئی، مکھی اس کو دیکھ کر حیران رہ گئی، اور اڑ کر اس کے منہ پر جا بیٹھی، ایسی کہ صبح بیٹھی تو شام تک بیٹھی ہی رہی۔ جیسے کسی کام میں

مشغول ہو، جب شام ہوئی تو کہنے لگی دنیا میں روزی کی تقسیم میں بدنظمی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے، دیکھئے ناکہ ان دونوں مکھیوں نے اس گائے کے منہ میں دو سوراخ کرلیا ہے اور اس میں بیٹھ کر اس کی چربی کھا رہی ہیں اور موٹی ہو ہو کر بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور ان مکھیوں کے بارے میں لوگوں کی لاعلمی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ ان دونوں مکھیوں کو جو اس گائے کے منہ میں سوراخ کرکے اپنی کمین بنا کر بیٹھ گئی ہیں اور اس کی چربی کھا رہی ہیں ان کو گائے کی آنکھ کہتے ہیں۔ میں آج دن بھر ڈنک مارتی، اور نوچتی رہی کہ میں بھی اسی طرح سوراخ کرکے بیٹھ اور اطمینان سے اس کی چربی کھاؤں اور ان دونوں مکھیوں کی طرح میں بھی موجاؤں، مگر میں تو ایک بال بھی نہ اکھاڑ سکی، تو بھلا ہماری روزی اور ان دونوں مکھیوں کی روزی انصاف میں دونوں برابر کیسے ہو سکتی ہیں۔

اس کے بعد اس مکھی نے دیکھا کہ ایک گوبرا گوبر اور گندگی میں رینگ رہا ہے۔ بولی! یہ کفر کی کوئی دلیل نہیں کہ میں اپنے کو اس سے بہتر سمجھوں، کیونکہ میرے پر ہیں اور اس گوبرے کے پر نہیں، میں ہلکی پھلکی پھرتیلی ہوں اور یہ سست رفتار و بوجھل بوجھل سا، یہ تو جیسے بہت پرانی اور قرون اولیٰ کی مکھی ہو، یہ بڑی بے وقوف و ناسمجھ تھی چلی پھری نہیں، حرکت نہیں کیا کہ اس میں بھی پر پیدا ہو جاتے، پھر اس نے ذرا کان لگا کر سنا تو۔ سنا کہ ایک گوبرا باتیں کرتے ہوئے دوسرے گوبرے سے کہہ رہا ہے۔ اگر مخلوق اپنی خواہش کے مطابق چیز نہ پائے تو جس طرح چاہے ناشکری کرے۔ افسوس ہم لوگ اس ڈیل ڈول والی بھینس کی طرح بھینس کیوں نہ بن گئے، ہم میں اور اس میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ بھینس کو ڈرانے والا مل گیا اور ہم کو نہیں ملا۔

گوبرے کی بات سن کر مکھی بولی، یہ تو اس کے عقل مند ہونے کی دلیل ہے، اب اس کے دھیرے دھیرے اور بوجھل ہو کر چلنے کی وجہ سمجھ میں آئی، اس کے سست ہوتے اور دھیرے دھیرے چلنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ کمزور اور تھکا تھکا سا ہے، بلکہ وہ باوقار ہے، وہ اپنے افکارِ عالیہ کی وجہ سے بھاری بھاری اور بوجھل سا معلوم ہوتا ہے، یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عقلمند ہے، گوبرے کی اس حقیقت کو سب سے پہلے ہم نے معلوم

کیا ہے کہ اس کے سست رفتار ہونے کا سبب اس کی کمزوری اور سستی نہیں بلکہ اس کی عقل و وقار ہے۔

پھر کیا تھا مکھی اپنی بھن بھناہٹ سے میں، میں، میں، سب کچھ میں، محقق میں، عقل مند میں، ہمچو من دیگرے نیست۔ ایسے بھن بھنائی ایسے بھن بھنائی کہ آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ابھی چند لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ اس احمقانہ الحاد و بے دینی کا قلع قمع کرنے حقیقت آپہنچی، یہ مکھی اپنی ساری خود پسندی، انانیت، غرور و گھمنڈ کے تیور کے ساتھ دیوار پر بیٹھی تھی اور پر ہلا ہلا کر تیور بدل بدل کر مٹک رہی تھی، ایک دو مچھر کھائے تھے اور خود بینی میں مست اپنے بازو کو بازو سے رگڑ رہی تھی کہ اتنے میں بطخ کا چھوٹا سا بچہ جو ابھی کل ہی انڈے سے نکلا تھا، مکھی سے قریب ہوا اپنی چونچ بڑھائی اور مکھی کو اپنی چونچ میں دبا لیا۔ جب چونچ بند ہوئی تو مکھی پر ساتوں طبق روشن ہو گئے اور کہنے لگی۔ میں ایمان لائی کہ جس نے بطخ کو پیدا کیا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

منظومات

پروفیسر نثار احمد فاروقی
پوسٹ بکس ۹۷۲۳
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

غزل

(بہ رنگِ میر)

جب بھی تیرے دیوانے کوچے سے تیرے پھرتے ہیں
شہر کے لڑکے بالے اُن کو گھیرے گھیرے پھرتے ہیں

مہکا ہوا تھا صحرائے جاں جس محمل کی خوشبو سے
اُس محمل کے کھوج میں اب ہم ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں

منگنا تیرے درشن کے ہیں، نینوں کے کجکول لئے
جوگی کا سا بھیس بنائے سانجھ سویرے پھرتے ہیں

اپنی متاعِ جان و دل کو شہرِ حسن میں مت لے جاؤ
بستی یہ پُرخوف و خطر ہے اس میں لٹیرے پھرتے ہیں

کیا کیا اپنی وضع پہ ہم کو ناز تھے کیسے خوار ہوئے
چاک گریباں، حال پریشاں، بال بکھیرے پھرتے ہیں

میرؔ کا قول نثارؔ ہمارے حال پہ کتنا صادق ہے
"بختِ چنیں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

رضوان اللہ فاروقی
۱۷۸۔ ابوالفضل اینکلیو
جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مقدس ہاتھ

میرے ہاتھ سب سے مقدس
جو وقتِ دعا عرشِ اعظم کو چھو لیں
امید ہیں مرے آنسوؤں کے
جو دامن سے پہلے انہی پر گرے تھے
مرے ہاتھ سب پر مقدم
جو تقدیر میری بناتے رہے ہیں
جو تقدیر لکھتے لکھاتے رہے ہیں
لکیریں مرے ہاتھ میں جو بنی ہیں
انھیں چومتا ہوں
انھیں رحل و جزواں کی حاجت نہیں ہے
نہ یہ طاق کے دامنِ نارسا ہیں
یہ کشف و کرامت کی دنیا سے عاری
یہ حرف و حکایت سے بیباک مطلق
عمل ان کا پیشہ عمل ان کی جنت
یہ جنت کے رہبر
دعاؤں کے شہپر
مرے ہاتھ سب سے مقدس

روداد مذاکراتِ علمی

سیمنار بنگلہ دیش

(مشرقی اقوام کے زبان و ادب میں اسلامی رجحانات)

انجمن رابطۂ ادب اسلامی کا شعبۂ برصغیر ہر سال تقریباً اکتوبر کے ماہ میں ادب اسلامی کے کسی نئے موضوع پر ایک عالمی مذاکرہ علمی منعقد کیا کرتا ہے، چنانچہ اس نے اپنے قیام کے وقت سے سال گذشتہ تک مختلف شہروں میں آٹھ وقیع سیمنار منعقد کئے، گذشتہ اکتوبر میں تو ان مذاکرۂ علمی بنارس میں منعقد کرنا طے ہوا تھا اور اس کی ضیافت کی ذمہ داری جامعہ سلفیہ بنارس نے کرنا طے کی تھی، پھر بعض ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ وہ تاریخ مؤخر کرنی پڑی، جو اس کے چھ ماہ بعد اپریل کی ۲۲، ۲۳ مقرر ہوئی، لیکن اس تاریخ کے طے ہوتے سے قبل بنگلہ دیش کی شاخ کی طرف سے تجویز ملی، ان کی طرف سے کئی سال سے ان کے یہاں مذاکرۂ علمی رکھنے کی پیش کش آرہی تھی، اسی کے تحت انھوں نے جنوری کی تاریخ طلب کی، ان دنوں رابطہ کے مرکزی دفتر کو اس کی گنجائش معلوم ہوئی، چنانچہ محترم صدر صاحب رابطہ کی اجازت سے وہ پروگرام طے پا گیا، اس میں حسب معمول ہند و پاک و بنگلہ دیش و ملیشیا کے فضلاء ادب کو دعوت دی گئی، مذاکرۂ علمی کا موضوع نیا بھی تھا اور دلچسپ بھی "مشرقی ممالک کی زبانوں اور ادبوں میں اسلامی رجحانات" اس میں خاص طور پر بنگالی زبان کے سلسلے کے مقالات کے زیادہ آنے کی توقع تھی، بنگلہ دیش کے جو حالات رہے ان کے لحاظ سے یہ موضوع بنگالی زبان میں اچھے رجحانات کی تلاش کے لئے مہمیز کا کام دے سکتا تھا، اس کے علاوہ اردو، ملیشیائی، ہندی اور دیگر زبانوں میں بھی یہ پہلو اُجاگر کئے جانے کی ضرورت تھی، چنانچہ کوشش الحمد للہ توقع سے کچھ زیادہ ہی کامیاب رہی، مذاکرۂ علمی میں بنگالی زبان و ادب کے سلسلہ میں ۱۳، اردو زبان و ادب کے

سلسلے میں، ملیشیائی زبان و ادب کے سلسلہ میں ایک مقالہ پیش ہوا، عربی میں کئی مقالے پیش ہوئے افتتاحی و اختتامی جلسوں کی صدارت صدر رابطہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے فرمائی، اور مذاکرے کے جلسوں کی صدارت مختلف حضرات نے کی ان میں ایک جلسہ کی صدارت بنگلہ دیشی مندوب نے، ایک جلسہ کی صدارت عرب مندوب نے، ایک جلسہ کی صدارت مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مندوب نے، اور ایک جلسہ کی صدارت اورنٹیل کالج لاہور کے مندوب نے، ایک جلسہ کی صدارت ندوۃ العلماء کے مندوب نے کی، جلسہ چاٹگام کے ایک مؤقر عربی ادارہ دارالمعارف کے وسیع صحن میں ایک طویل و عریض شامیانے کے نیچے منعقد ہوا۔

جلسہ کی کاروائی کو وہاں کے اخبارات نے وسیع القلبی سے شائع کیا، اور بنگلہ دیش کی ڈھاکہ و چاٹگام یونیورسٹیوں کے اور دیگر متعدد علمی و ادبی اداروں کے اساتذہ نے دلچسپی لی اور مقالات بھی وقیع پیش کئے، جو زیادہ تر بنگالی زبان میں تھے۔ جن عنوانات کے تعلق سے مقالے پیش کئے گئے وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ڈاکٹر محمد شفیق اللہ	بنگلہ شاعری میں اسلامی رجحانات۔
۲۔ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	الإتجاهات الإسلامية الإبداعية في شعر محسن الكاكوروي۔ (عربی)
۳۔ مولانا سید واضح رشید ندوی	الإتجاه الإسلامي في اللغة الأردية۔ دراسة كتابات الشيخ عبد الحي الحسني بالأردية۔ (عربی)
۴۔ مولانا محمود الازہار ندوی	مولانا سید سلیمان ندوی کی ادبیات میں اسلامی رجحانات
۵۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی	الإتجاه الإسلامي في آداب الشيخ حبيب الرحمٰن خاں الشيروانيؒ
۶۔ مولانا محمد سلطان ذوق ندوی	بنگالی ادب پر اسلامی رجحانات۔
۷۔ پروفیسر اختر فاروق	رسول اکرمؐ بنگلہ ادب میں۔
۸۔ ڈاکٹر محمد شاہ	انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے اوائل میں بنگلہ ادب میں اسلامی اثرات،

۹۔ مولانا ذوالفقار احمد قسمتی — بنگلہ ادب میں علماء کرام کی خدمات۔
۱۰۔ پروفیسر عبدالباری — علامہ اقبال کے اسلامی افکار کا شعری پیکر عربی شاعری کے اثرات کی روشنی میں ایک جائزہ۔
۱۱۔ شاعر المحمود صاحب ..... — بنگلہ ادب میں اسلامی رجحانات،
۱۲۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر — مسلمانوں کی بیداری میں مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کا کردار۔
۱۳۔ مولانا ابوالقاسم عبدالقادر — السید اسماعیل حسین الشیرازی شعرہٗ وفکرہٗ (عربی)
۱۴۔ مولانا رضاء الکریم اسلام آبادی — اردو شاعری پر عربی کے اثرات، علامہ اقبال کے کلام کی روشنی میں۔
۱۵۔ ڈاکٹر شبیر احمد — اسلامی نشأۃ ثانیہ میں اردو شاعری کا کردار (انگریزی)
۱۶۔ قاضی دین محمد — بنگلہ ادب میں اسلامی رجحانات۔
۱۷۔ شہاب الدین صاحب — اسلامی رجحانات کے حامل بنگالی ادباء و شعراء۔
۱۸۔ ڈاکٹر مستفیض الرحمٰن — بنگلہ ادب میں اسلامی رجحانات۔
۱۹۔ ڈاکٹر معین الدین احمد خاں — لفظ بنگلہ کی تحقیق اور بنگالی زبان کا ارتقاء۔
۲۰۔ پروفیسر نور حسین — بنگلہ ادب اور اسلامی رجحانات۔
۲۱۔ مولانا احمد فہمی زمزم — الشیخ احمد زین الفطامی وآثارہ الأدبیۃ (عربی)
۲۲۔ پروفیسر محمد ابوطالب — بنگلہ ادب میں ہندو مسلم رجحانات۔
۲۳۔ پروفیسر غلام رسول — بنگلہ ادب میں اسلامی رجحانات۔
۲۴۔ مولانا محمد فرقان اللہ — روائع من الشعر البنغالی۔
۲۵۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — منہج جدید للإبداع فی شعر الدکتور محمد إقبال۔
۲۶۔ مولانا اقبال احمد ندوی — مسدس حالی میں اسلامی رجحانات۔

بنگلہ دیشی فضلاء نے مذاکرۂ علمی کے موضوع سے خاصی دلچسپی ظاہر کی، اس سے وہاں کی فضاء میں اسلامی رجحان رکھنے والے ادب کی اہمیت اُجاگر ہوئی، اور ان کو توجہ ہوئی، اور وہاں کے

لوگوں سے معلوم ہوا کہ بنگلہ دیش کی زبان میں ایسا مفید اور مؤثر لٹریچر خاصا موجود ہے، جس میں اسلامی فکر ورجحان نمایاں ہے، ملک کے خاص سیاسی رجحان کے سبب یہ رجحان دب سا گیا تھا، مزید یہ کہ اردو اور بنگلہ دیشی زبانوں کے درمیان سیاسی بنیاد پر جو دوری پیدا ہوئی تھی اس نے بھی اسلامی رجحان پر منفی اثر ڈالا تھا، لیکن اب بنگلہ دیش کی فضاء بہت بہتر ہوئی ہے، اور اسلامی رجحان کو ادب میں تلاش کرنے اور پسند کرنے کا اچھا اظہار نظر آیا، افتتاحی جلسہ میں مرکزی حکومت کے افزائش ماہی کے وزیر نے نہ صرف یہ کہ شرکت کر کے حکومت کی ہمدردی کا ثبوت دیا، بلکہ ادب کے اسلامی رجحان کے موضوع پر وقیع اظہار خیال کیا، اور ایک بڑی اچھی بات یہ ہوئی کہ دینی رجحان کے حامل حضرات میں ادارہ یا حزب یا مسلک کی بنیاد پر جو سخت افتراق اور بُعد کا کسی حد تک جو ماحول چل رہا تھا، اس سیمینار کے ذریعہ اس میں کمی آئی، اور یہ تو سب نے محسوس کیا کہ رابطۂ ادب اسلامی کے اسٹیج پر سب بھائی بھائی بن کر بیٹھے، دار المعارف الإسلامیہ بھی جو سیمینار کا میزبان تھا، اس کو بھی شرکاء نے وقعت کی نگاہ سے دیکھا، نشستوں کے آغاز پر تلاوت قرآن پاک کے بعد عموماً ترانے پڑھے جاتے تھے، جو خود دار المعارف الإسلامیہ کے ناظم اعلیٰ کے تیار کردہ تھے، اور ان میں بڑی اسلامیت تھی، وہ ترانے سوائے ایک عربی کے سب بنگالی زبان میں تھے، مقالات اور خطابات کا ترجمہ دوسری زبان میں ہوتا تھا۔

افتتاحی جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک اور ترانے سے پھر میزبان کی حیثیت سے دار المعارف الإسلامیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا سلطان ذوق ندوی کے استقبالیہ سے ہوا، پھر برصغیر کے مرکزی دفتر کی طرف سے اس کے ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے تمہیدی خطبہ دیا، جس میں رابطہ ادب اسلامی کی غرض وغایت اور اس کی مختصر روداد کو پیش کیا، پھر صدر محترم کی مؤثر تقریر ہوئی، پھر دیگر اہلِ علم وفضل نے اپنے خیالات سے مسرور کیا۔

اجتماع تین روز جاری رہ کر تیسرے روز بوقت مغرب انتہا تک پہونچا، صدر رابطہ محترم حضرت مولانا مدظلہ، ڈھاکہ پہونچتے ہی علیل ہو گئے تھے، علالت کی وجہ سے ڈھاکہ کے پروگرام میں تقریباً شرکت نہ کر سکے، اور چاٹگام کے پروگرام میں بھی شرکت بظاہر دشوار تھی، لیکن میزبان صاحبان کو اس میں پورے سیمینار کے بے فائدہ ہو جانے کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا،

جس کی دل جوئی میں حضرت مولانا نے اپنی علالت کی طرف سے صرف نظر کرکے شرکت کی جس کی بناء پر اجتماع بہت کامیاب رہا۔

مختلف جلسوں کے انعقاد کے دوران اور ان کے قبل و بعد اہلِ علم و ادب شرکاء کو ایک دوسرے سے ملنے اور علم و ادب پر تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملتا تھا، جو اس سفر کا ایک بڑا فائدہ تھا، اس پروگرام سے بنگلہ دیش کی رابطہ کی انجمن کو بڑی تقویت حاصل ہوئی، اور وہاں کی رکنیت کے دائرے میں وسعت ہوئی۔

● چاٹگام کے مذکورہ سیمنار کے تین ماہ بعد بنارس کا سیمنار "حدیث نبوی کی ادبی خصوصیات" پر منعقد ہوا جس کی تفصیلات اس شمارہ میں علاحدہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

● رابطۂ ادبِ اسلامی کے برصغیر کے دفتر نے کئی ماہ سے اپنے منطقہ کی سب سے وسیع زبان اردو میں سہ ماہی مجلہ نکالنے کا نظم کر دیا تھا جس کا پہلا شمارہ نکل چکا ہے، یہ مجلہ "کاروانِ ادب" کے نام سے موسوم ہوا ہے، اس پرچہ کے پہلا شمارہ ہونے کے لحاظ سے اس کے بڑے حصہ کو حمد و مناجات کے ان مقالات سے بیش بہا بنایا گیا ہے، جو رابطہ کے چھٹے سیمنار میں جو حمد و مناجات کے موضوع پر منعقد ہوا تھا پیش ہوئے تھے، یہ اس موضوع پر انشاء اللہ ایک قیمتی مجموعہ ثابت ہوگا، اس شمارہ کے شروع میں رابطۂ ادب اسلامی کی مختصر تاریخ کا ایک مختصر جائزہ بھی دیا گیا ہے، اسی کے ساتھ گذشتہ آٹھ سیمناروں میں پیش کئے جانے والے مقالات کے ناموں کی فہرست بھی دی گئی ہے، اس مجلہ کا دوسرا شمارہ پیش نظر ہے اس میں رابطۂ ادب کے دسویں سیمنار منعقدہ بنارس کے منتخب مقالات پیش کئے گئے ہیں، دعاء و مناجات کے بعد حدیث نبوی کو موضوع اختیار کیا گیا ہے امید ہے کہ یہ ترتیب پسند کی جائے گی، رابطۂ ادبِ اسلامی کے اس اردو مجلہ میں گذشتہ سیماروں کے مقالات کا انتخاب موضوع کی ترتیب سے دیا جاتا رہے گا۔

● ہمارے ساتھیوں کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ عربی منطقہ کے صدر دفتر نے بھی سہ ماہی مجلہ نکالنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کی تعمیل ہوگئی ہے، اور اس طرح ادب اسلامی پر عربی میں ایک وقیع مجلہ منصۂ شہود پر آگیا ہے، جس کے دو شمارے نکل چکے ہیں۔

● عربی منطقہ کے صدر دفتر نے اپنے ایک تازہ اجتماع میں جو قاہرہ میں منعقد ہوا اسلامی افسانہ نگاری پر منعقد کئے گئے مقابلہ میں کامیاب افسانہ نگاروں کو وقیع مالی انعامات بھی تقسیم کئے اور اسی کے ساتھ

مشہور اسلامی افسانہ نگار نجیب کیلانی کو ان کے فن کی قدر دانی کے طور پر اعزازیہ دیا۔

● برصغیر کے صدر دفتر نے اپنے ایک مشاورتی جلسہ میں اپنے منطقہ کے اندر ایک انعامی مقابلہ منعقد کرنا طے کیا ہے جس میں عربی کے اسلامی و ادبی کام کو بہتر اور صحیح انداز سے اردو اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے والوں کو انعام دیا جائے گا۔ اس مقابلے کی تفصیل ابھی طے کیا جانا باقی ہے۔ اس مقابلہ کی تمہید کے طور پر ایک چھوٹا انعامی مقابلہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اندر طلباء کے مابین رکھا گیا ہے جس میں عربی میں ان کے بہتر انداز میں اپنی معلومات اور بات کو ادا کرنے کا جائزہ لیا جائے گا، اور مقرر کردہ مقدار میں ان کو مالی انعامات دیئے جائیں گے، یہ مقابلہ رابطۂ ادب اسلامی، عربی انجمن "النادی العربی" کے تعاون سے منعقد کر رہا ہے۔

● رابطۂ ادب اسلامی کے پروگرام میں بعض نئے موضوعات پر مذاکرۂ علمی منعقد کرنے، ادب اسلامی کے تعارف کے لئے بعض علاقوں کے اہلِ ادب حلقوں میں ملاقاتیں کرنے، اور تبادلۂ خیال کرنے، اور ادب اسلامی کے دائرے میں کئے جانے والے کاموں کی ہمت افزائی کرنے کے متصوبے زیرِ غور ہیں۔

امید ہے کہ ارکان کے تعاون سے اور ادب اسلامی کے حامیوں کی ہمّت افزائی اور قدر دانی سے اس موضوع پر کام کو بڑھایا اور پھیلایا جا سکے گا، ہم کو اس سلسلے میں نیک توقعات ہیں۔

اعظم گڑھ کے مؤقر علمی ادبی ادارہ دار المصنفین شبلی اکیڈمی کی طرف سے رابطۂ ادب اسلامی کو دعوت نامہ ملا ہے کہ دار المصنفین کی دلچسپی کے کسی ادبی موضوع پر وہاں آئندہ کسی مناسب تاریخ میں سیمنار منعقد کیا جائے، دار المصنفین کے محترم ناظم مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی رابطۂ ادبِ اسلامی عالمی کے رکن رکین بھی ہیں۔

● رابطۂ ادبِ اسلامی کی اس ساری جدّ و جہد کے مصارف حضرات ارکان کی رکنیت فیس، کتابوں کی فروخت کی آمدنی، ندوۃ العلماء کی طرف سے جزوی تعاون اور بعض خصوصی چندوں کی آمدنی سے کئے جاتے ہیں، حضرات ارکان سے گذارش ہے کہ وہ فیس رکنیت کی ادائیگی اور تعاون کے دوسرے طریقوں کے اختیار کرنے میں کمی نہ کریں تاکہ رابطہ کی ضروری جدّ و جہد متأثر نہ ہو۔

(صدر دفتر رابطۂ ادبِ اسلامی برائے برّصغیر وغیرہ)

روداد سیمینار بنارس

(حدیث شریف کی ادبی وفنّی خصوصیات)

رابطۂ ادب اسلامی عالمی کے مرکزی دفتر برائے شعبہ برّصغیر وممالک مشرقیہ نے اپنا نواں سالانہ مذاکرۂ علمی "حدیث شریف کی ادبی اور فنّی خصوصیات" کے موضوع پر جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس مورخہ ۱۰-۱۱ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۲-۲۳ اپریل ۱۹۹۴ء کو منعقد کیا، جس میں ہندوستان کے مدارس اسلامیہ اور عصری جامعات کے اساتذۂ ادب اور محققین و دانشور شریک ہوئے، نیز ہندوستان کے باہر سے مجلہ "منارالاسلام" ابوظبی کے نامہ نگار اور مشہور صحافی شیخ عبدالفتاح سعید نے شرکت کی۔

مذاکرۂ علمی کی مختلف نشستیں جامعہ سلفیہ کے کشادہ اور وسیع ہال میں منعقد ہوئیں ہال اپنے حاضرین وسامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، جس میں حضرات مندوبین، اساتذہ جامعہ سلفیہ، عمائدین شہر بنارس، ادبا وصحافی اور مقامی مدرسوں کے ادب وفنّ حدیث کے اساتذہ اور طلبہ سبھی شریک ہوئے، آل انڈیا جمعیت اہل حدیث کے صدر جناب مولانا مختار احمد صاحب ندوی نے بھی اپنی تشریف آوری سے جلسہ کو شرف بخشا، اور مذاکرۂ علمی کی مختلف نشستوں میں شریک رہے، اور ان میں سے بعض کی صدارت بھی فرمائی، یہ ایک زرّیں موقع یا حسین اتفاق تھا کہ حدیث شریف کے موضوع پر کوئی مذاکرۂ علمی جامعہ سلفیہ میں منعقد ہو جس نے حدیث شریف کو اپنا خصوصی شعار بنایا ہے، چنانچہ مقررین نے اور بطور خاص مولانا مختار احمد صاحب ندوی نے اس پُرمسرّت موقع کو سراہا، اور سیمینار منعقد کرنے والوں کو مبارکباد دی، اور اسی لئے ذمہ داران جامعہ کا سیمینار کے انتظام وانصرام میں دلچسپی لینا اور اس کا اہتمام کرنا ایک فطری امر تھا۔

۲۲ اپریل ۹۴ء کو صبح صدر رابطہ ادب اسلامی عالمی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں افتتاحی جلسہ کا آغاز ہوا، جس میں مولانا نے اپنا

خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"جذبات اور محرکات پیدا کرنے میں ادب کو بہت بڑا دخل ہے، اور یہ انسان کے شعور کو ابھارنے، اس کے ذہن میں افکار و تصورات کا بیج بونے اور قلب میں انفعال و تأثر پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے"۔

صدر محترم نے رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان ظروف و حالات کا جائزہ لیا جنھوں نے اس کی تشکیل میں مدد دی، انھوں نے صاف طور پر کہا کہ اس جیسی ادبی تحریک کے عالم وجود میں آنے کا حقیقی سبب ادبار کا ادب کو اپنے سفلی مقاصد کے لئے استعمال کرنا، نیز اس وسیلہ سے لوگوں کے درمیان فساد و بگاڑ پیدا کرنے کا کام لینا، اور ادب کے پیغام اور اس کے مشن سے انحراف کرنا تھا، انھوں نے اسلامی مدارس میں ادب کے ساتھ بدتر سلوک کئے جانے اور اس کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی برتے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان مدارس میں ساری توجہ مصنوعی اور پُرتکلف ادب پر مرکوز رکھی جاتی ہے اور نصابی کتابوں میں سلیس اور رواں ادبی شہ پاروں کی طرف سے لاپرواہی برتی جاتی ہے، اور ایسی کتابوں کو ترجیح دی جاتی ہے جن میں تصنع اور تکلف ہے، نیز حریری کے اسلوب کی تقلید پر اصرار کیا جاتا ہے، جو طلبہ کے اندر تصنع اور تکلف، آرائش و زیبائش اور حقیقی زندگی سے دوری کا رجحان پیدا کرتا ہے، اسی کے ساتھ انھوں نے اس کا بھی تذکرہ کیا کہ انھیں اس ضرورت کا احساس اس وقت ہوا تھا جب وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب عربی کے استاذ تھے۔

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ ادب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا سرچشمہ قلب و فکر ہو، اور رواں و جاری پانی کی طرح ہو، اور اس کے اندر یہ صفت اسی وقت پیدا ہوگی، جب سلیس اور رواں نثر کا مطالعہ کیا جائے گا۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے حق کی خدمت میں اپنے شعور و جذبات کو دوسروں میں منتقل کرنے اور طاغوتی اور باغی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس وسیلہ سے کام لینے میں مؤثر اور فعال ادب کے مطالعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ عربی ادب کے مطالعہ کی اہمیت ان تحریکات و مذاہب کی موجودگی میں اور بڑھ جاتی ہے، جو عالم عربی میں اسلام پر اعتماد

کو ختم کر دینا چاہتے ہیں، کیونکہ بہت سے غلط افکار و نظریات ادباء و شعراء اور مصنفین کے واسطہ سے لوگوں میں سرایت کر گئے ہیں، اور ہندوستانی علماء کا فرض ہے کہ وہ ان فتنوں کا مقابلہ کریں، کیونکہ ان پر عربوں کا احسان ہے، اور عربوں کو خطاب کرنا انھیں کی زبان میں ممکن ہے اور یہ کام دلکش و مؤثر اسلوب میں تحریری اور تقریری صلاحیت پیدا کئے بغیر نہیں ہو سکتا ہے

موصوف محترم نے مختلف زمانوں میں لکھی ہوئی ایسے بعض ہندوستانی مصنفین کی کتابوں کی طرف بھی اشارہ کیا جن کا عالم عربی میں بڑا اثر تھا، اور ان کی کتابوں نے پسندیدہ اور دلکش اسلوب میں ہونے کی وجہ سے بڑی مقبولیت اور شہرت پائی تھی۔

حضرت مولانا نے اسلامی مدارس کو اپنے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کرنے کی بھی دعوت دی، اس کے بعد حدیث شریف کی ادبی اور فنی خصوصیات پر گفتگو کرتے ہوئے ادب نبوی شریف کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا، اور ادب نبوی کی دلکش مثالیں پیش کیں۔

اسی جلسہ میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وکیل جامعہ سلفیہ نے اپنا خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، جس میں انھوں نے جامعہ سلفیہ میں اس طرح کا مذاکرۂ علمی منعقد کئے جانے پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مندوبین کا استقبال کیا، اور بنارس کے تاریخی شہر کا مختصر تعارف پیش کیا۔ اور قدیم اسلامی ثقافت سے اس کے تعلق اور وہاں کے علماء کے حدیث شریف کے موضوع سے خصوصی تعلق کا ذکر کیا، جن میں سر فہرست شیخ عبدالحق محدث (متوفی ۱۳۴۱ھ) ہیں، جو شیخ عبدالقادر محدث دہلوی کے تلامذہ میں تھے، اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے رفیق درس تھے، انھیں میں شیخ حیات محمد (متوفی ۱۳۴۱ھ) ہیں، جو مولانا سید نذیر حسین اور شیخ حسین عرب محدث یمنی کے تلامذہ میں تھے، پھر ڈاکٹر ازہری نے جامعہ سلفیہ کی تاریخ اور علم حدیث میں اس کی خدمات کا تذکرہ کیا۔

اس کے بعد مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نائب صدر اور جنرل سکریٹری رابطہ ادب اسلامی نے اپنی رپورٹ پیش کی، اور رابطہ نے اپنے قیام سے لیکر اب تک جتنے مذاکرات علمی منعقد کئے، اور جن موضوعات کو بحث و تحقیق کے لئے منتخب کیا، ان سب کا جائزہ لیا۔

پھر مولانا مختار احمد صاحب ندوی نے اپنی مختصر تقریر میں جامعہ سلفیہ کے احاطہ میں اس طرح کا مذاکرۂ علمی منعقد کئے جانے پر اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور جامعہ کے ساتھ اس

موضوع کے تعلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مندوبین کا استقبال کیا، جنھوں نے تکلیف اٹھائی اور زحمتِ سفر برداشت کی، اور مذاکرۂ علمی میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان کے دُور دراز گوشوں اور مشرق ومغرب سے یہاں پہونچے۔

اس کے بعد تقریر نمائندگان کا سلسلہ شروع ہوا، جن میں سب سے پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے ڈاکٹر محمد راشد ندوی نے اپنی تقریر میں اس پر روشنی ڈالی کہ ادبِ اسلامی کا خیال کب اور کیسے پیدا ہوا؟ اور اس کی نشوونما کس طرح ہوئی؟ انھوں نے اس تصور کا بھی ذکر کیا جسے سب سے پہلے حضرت مولانا علی میاں مدظلہ العالی نے پیش کیا تھا، اور جس نے بعد میں ادبی حلقوں میں قبولیت پائی، اور اس کے نتیجہ میں رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل ہوئی، انھوں نے مذاکرۂ علمی کے موضوع پر بھی روشنی ڈالی۔

اسی طرح جامعہ اسلامیہ بنارس سے شائع ہونے والے رسالہ "ترجمان اسلام" کے مدیر مولانا اسیر ادروی نے اس موضوع کے انتخاب پر اپنی پسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ مدارس میں حدیث شریف کو صرف استنباط احکام کے لئے پڑھنے کا معمول ہے، اب یہ موقع آیا ہے کہ حدیث شریف کے ادبی اور فنّی پہلوؤں کا بھی مطالعہ کیا جائے، اور انھیں بحث کا موضوع بنایا جائے، انھوں نے مذاکرۂ علمی کیلئے اس موضوع کے انتخاب پر رابطۂ ادبِ اسلامی کا شکریہ ادا کیا۔

پھر اسی روز عصر اور مغرب کی نماز کے بعد دو نشستیں، اور دوسرے دن کی نشستیں مقالات کی منعقد ہوئیں، جن میں علمی اور ادبی مقالات پیش کئے گئے، مقالات کا منتخب حصہ اس شمارے میں شریکِ اشاعت ہے، اور اس کے علاوہ مقالات کی مکمل فہرست بھی یہاں دی جارہی ہے۔

۱۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی — أدب الحديث النبوي الشريف۔

۲۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — القيمة الأدبية لمناجاة الرسول صلى الله عليه وسلم وأدعيته (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجاتوں اور دعاؤں کی ادبی خصوصیات)

۳۔ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	أدب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی الذکر والدعاء۔
۴۔ مولانا سید واضح رشید ندوی	رسم الشخصیتہ فی الحدیث النبوی الشریف۔
۵۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری	الخصائص الفنیۃ فی القصص النبویۃ۔
۶۔ مولانا شمس تبریز خاں لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ	احادیث نبویہ (جوامع الکلم کی فکری اور ادبی معنویت۔
۷۔ مولانا ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری	خطبات نبوی کا ایک بیش قیمت مجموعہ۔
۸۔ مولانا اسیر ادروی	احادیث کا ادبی مقام و مرتبہ۔
۹۔ مولانا ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی ندوی	حدیث شریف کی ادبی اور فنی خصوصیات۔
۱۰۔ پروفیسر حافظ بدر الدین	عربی اور اردو شاعری پر حدیث کا اثر۔
۱۱۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی	رسول اللہ ؐ کی فصاحت و بلاغت۔ صحیح بخاری کی بعض احادیث کی روشنی میں۔
۱۲۔ پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی	عربی زبان کے ارتقاء میں حدیث نبوی کا حصہ، ایک جائزہ۔
۱۳۔ ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی	رسول اللہ ؐ کا حسن کلام (منظوم)
۱۴۔ ڈاکٹر سید عبد الباری، سلطانپور	سرکار دو عالم ؐ کا حسن کلام۔
۱۵۔ پروفیسر محمد راشد ندوی، علی گڑھ	حدیث نبوی کی ادبی حیثیت۔
۱۶۔ پروفیسر عبد الباری "	رسول اکرم ؐ کی دعائیں۔ ادبی شہ پارے اور تاریخی مآخذ کی حیثیت سے ایک جائزہ۔
۱۷۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی "	کلام نبوی پر کلام الٰہی کا اثر۔
۱۸۔ مولانا مختار احمد ندوی	نبی کریم ؐ کی دعاؤں کی ادبیت۔
۱۹۔ ڈاکٹر اقبال حسین ندوی	حدیث نبوی کا ادبی پہلو۔
۲۰۔ ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی	محدثین اولین کی چند صفات۔
۲۱۔ مولانا عبد الرحمٰن ملی ندوی	البلاغۃ النبویۃ و أثرھا فی کلام الصحابۃ ؓ۔

۲۲۔ مولانا محمد رئیس ندوی — عہد نبوی کے معاشرہ کی عکاسی میں حدیث شریف کا حصہ۔

۲۳۔ مولانا سرور عالم ندوی — فن تنقید میں رسولؐ عربی کے رہنما اصول۔

۲۴۔ مولانا فضل الرحمٰن انصاری — کلام نبویؐ میں انسانی احساسات وجذبات کی عکاسی۔

کاروانِ ادب لکھنؤ سہ ماہی
جولائی تا ستمبر ۱۹۹۴ء

رابطۂ ادبِ اسلامی (عالمی) مرکز برّصغیر ہند و پاک و ممالک مشرقی لکھنؤ

مقالات

حدیث شریف کی ادبی و فنّی خصوصیات

انتخاب کردہ از مقالاتِ مذاکرۂ علمی

منعقدہ ۱۰/۱۱ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
مطابق ۲۲/۲۳ اپریل ۱۹۹۴ء
بمقام بنارس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
سکریٹری جنرل رابطہ ادب اسلامی (عالمی)

حرفِ آغاز

حدیث شریف کی ادبی وفنّی خصوصیات

[بنارس کے مذاکرۂ علمی کے موقع پر سکریٹری رابطہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا پیش کردہ افتتاحی مضمون]

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم المرسلین سیدنا محمد، وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، اما بعد!

ہم کو مسرت ہے کہ آج ہم وہ مذاکرۂ علمی منعقد کر رہے ہیں، جس کے انعقاد کا اعلان تقریباً سال بھر پہلے کیا گیا تھا۔ پھر بعض دشواریوں کی بنا پر مؤخر ہو گیا تھا۔ جامعہ سلفیہ میں اس مذاکرۂ علمی کا انعقاد جامعہ سلفیہ اور ہمارے رابطۂ ادب اسلامی دونوں کے لئے ایک ادائیگیٔ فرض اور ایک اچھے مقصد کی تکمیل ہے، مذاکرہ کا موضوع پہلے خالص ادب سے تعلق رکھتا تھا، لیکن مؤخر ہونے کے بعد جب نئی تاریخیں طے ہونے لگیں تو صدر محترم رابطۂ ادب اسلامی نے موضوع کے تعیّن میں تبدیلی کا مشورہ عنایت فرمایا، یہ نیا موضوع زیادہ بابرکت اور خوشگوار اور دینی تعلق کا زیادہ حامل ہے، یہ حدیث نبویؐ شریف کے ادبی پہلوؤں کے مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے، جامعہ سلفیہ کے ذمہ داروں نے اسی مشورہ کو پسند کیا، چنانچہ موضوع کی یہ تبدیلی عمل میں آئی۔

حضرات! رسول مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین تھے، انسانوں کی ہدایت اور راہِ حق کی نشاندہی اور وضاحت کے لئے ربّ العالمین کی طرف سے بھیجے گئے تھے، ان کی زندگی کا کام وپیغام دینِ حق کا پہونچانا اور شریعت اسلامی کی وضاحت تھی، لیکن وہ

رسول ہونے کے ساتھ ساتھ انسان تھے، انسانی احساسات، تأثرات، معاملات سے ان کو بھی اسی طرح واسطہ پڑتا تھا جس طرح کسی انسان کو پڑتا ہے، دعوتِ دین کی راہ میں ان کو صعوبتیں پیش آتی تھیں، وہ ان صعوبتوں کو انسان ہونے کے ناطے محسوس کرتے تھے، اہلِ تعلق سے محبت، حوادث پر رنج، خوشی کے موقع پر مسرت آپؐ کو بھی انسانوں کی طرح ہوتی تھی، جہاں ان احساسات وتأثرات کے اظہار کا آپؐ موقع محسوس کرتے، ان کا اظہار فرماتے تھے، اسی طرح آپؐ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر اپنے تأثر ورنج کا اظہار فرمایا جس میں ایک طرف آپؐ کی عبدیت اور اختیاط کا پورا اظہار ہے، دوسری طرف انسانی تأثر کے سچے اظہار کے لئے بہت فصیح اور مؤثر طرزِ ادا ہے، فرمایا: "القلب یحزن، والعین تدمع، ولا نقول الا ما یرضی الربّ، وانّا علی فراقک یا ابراھیم لمحزونون" فرمایا: دل رنجیدہ ہے آنکھ میں آنسو آرہے ہیں لیکن ہم وہی کہتے ہیں جس سے رب راضی ہو، ہم تمہاری جدائی سے اے ابراہیم رنجیدہ ہیں، ذرا حقیقت کی عکاسی دیکھئے اور طرزِ ادا کی احتیاط دیکھئے، کیا یہ ادب نہیں؟

آپؐ نے ایک موقع پر خواتین کی نزاکت کی کیفیت کا لحاظ اپنی عبارت میں اس طرح فرمایا کہ کہا: "رفقًا بالقوارير" اس میں آپؐ نے خواتین کو آبگینوں سے تشبیہ دی، ایک موقع پر آپسی اختلاف کی گنجائش نہ بتاتے ہوئے فرمایا: "لا ینتطح فیہ عنزان" یعنی اس معاملہ میں دو بکریاں آپس میں سینگ نہ لڑائیں گی، ذرا بکریوں کے یہ انداز سامنے رکھئے کہ دو بکریاں جب اکٹھا ہوجاتی ہیں، اپنے اگلے پیروں کو اٹھا کر سینگ لڑاتی ہیں، آپؐ نے اس انداز کو دو شخصوں کی آپسی کشمکش کے اظہار کے لئے انتخاب کیا، اسی طرح آپؐ کا یہ فرمانا کہ "ھذا یوم لہ ما بعدہ" یعنی آج کا دن ایسا ہے کہ اس کا سلسلہ بعد میں چلے گا، ذرا اس طرزِ ادا کو دیکھئے، کتنے اچھے طریقہ سے کسی قضیہ کے کسی نہ کسی شکل میں جاری رہنے کا امکان بتایا گیا ہے۔

یہ تو جملے تھے، آپؐ کے اس خطبہ کو دیکھئے جو آپؐ نے ہوازن سے واپسی پر مالِ غنیمت کی تقسیم میں بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے دیا، اور آپؐ کی مختلف دعاؤں کو دیکھئے، کیسی باریکی اور نفسیاتی کیفیت کا لحاظ اور تأثرات کی سچی ادائیگی ملتی ہے، اس میں اپنی عبدیت اور پروردگار کی عظمت کا پورا احساس اُجاگر ہے۔

مؤثر اور فصیح طرزِ ادا اور دل کو متحرک کر دینے والی تعبیر، دعوتِ دین کے کام کے لئے ایک ضروری اور مؤثر ذریعہ تھا، امت کی رہنمائی اور تعلیم و تزکیہ کے لئے بھی اس کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی صلاحیت آپؐ کو بدرجۂ اکمل و اتم عطا فرمائی گئی تھی، بہرحال آپؐ کی فصاحت اور حسنِ ادا جو آپؐ کی گفتگو، خطابت، نصیحت اور اپنے رب کے سامنے اظہارِ عاجزی، حمد و مناجات میں کھلے طریقہ سے ظاہر ہوتی ہے، آپؐ کی فصاحت کلام و حسن بیان پر سب کو اتفاق ہے، عربوں میں صحت کلام و فصاحت کے لئے جن اسباب و ذرائع کی ضرورت ہوتی تھی، وہ بھی آپؐ کو بدرجۂ اتم حاصل تھے، آپؐ فصیح ترین قبیلۂ قریش میں پیدا ہوئے، پھر قبیلۂ بنی سعد میں رضاعت کا زمانہ گذرا یہ قبیلہ فصیح قبائل میں شمار کیا گیا ہے، پھر پاکیزہ زندگی اور پاکیزہ خیالات و احساسات آپؐ کا طرزِ رہا، پھر نبوت ملی تو بلاغت و اعجاز بیان کا معیاری کلام قرآن مجید آپؐ پر اتارا جانے لگا، وہ آپؐ کا اصل معلّم و مربّی تھا، آپؐ کا قلبِ ذہین اور آپؐ کا اسلوبِ بیان سب نے اس آسمانی معلّم سے کسبِ فیض کیا، آج ہمارا مذاکرۂ علمی آپؐ کے کلام کے انہی پہلوؤں پر منعقد ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہم کو مفید اور بامقصد بات پیش کرنے کی توفیق دے۔

حضرات! ادب اسلامی کے مختلف موضوعات پر رابطۂ ادب اسلامی کی طرف سے مذاکراتِ علمی منعقد کرنے کا سلسلہ رابطہ کے قیام کے وقت سے جاری ہے، رابطہ کا قیام باقاعدہ عالمی پیمانے پر ۱۹۸۶ء کے آغاز میں ہوا تھا، اس کے دو مرکزی دفتر بنائے گئے تھے، دونوں دفتروں نے ادب اور اسلام کے مابین جو تعلق ہے، اس کے دائرے میں آنے والے ادب کی وضاحت اور اضافہ کے لئے کام کرنے کو اپنا مقصد بنایا، ان میں سے ایک دفتر عربی خطہ کے لئے، اور دوسرا برصغیر کے لئے رکھا گیا، ہمارے برصغیر کے دفتر نے اپنے کام کے سلسلہ میں تحریروں، ملاقاتوں اور علمی و ادبی مجلسوں کے ذریعہ کام کرنا شروع کیا، اور ہمیں خوشی ہے کہ آج برصغیر کے مرکزی دفتر کے زیر اہتمام دسواں مذاکرۂ علمی منعقد ہو رہا ہے۔

رابطہ کے تمام مذاکرات علمی ملک کے کسی بڑے علمی و تعلیمی ادارے کے تعاون و ضیافت کے منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اس طرح ملک کے مختلف حصوں میں ان کا انعقاد ہوا، اور نئے نئے موضوعات ان کے لئے انتخاب کئے گئے، چنانچہ جے پور میں "اسلام اور مغربی ادبی تحریکات" پر، حیدرآباد میں

"تحریک آزادی کے اسلامی ادب پر" اور رنگ آیا دمیں "نعتِ نبویؐ کے ادبی پہلو پر" لکھنؤ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک نے جو ادب پیدا کیا، اس پر اور بھوپال میں دعوتِ اسلامی کے ادب پر، رائے بریلی میں حمد و مناجات و دعا کے ادبی پہلو پر، چاٹگام بنگلہ دیش میں مشرقی زبانوں میں اسلامی ادبی اثرات پر اور اسی طرح دیگر متعدد شہروں میں دیگر موضوعات پر سیمینار منعقد ہوئے، آج ہم خدا کے فضل و کرم سے حدیث نبویؐ شریف کے ادبی پہلوؤں پر جامعہ سلفیہ کے تعاون و ضیافت سے مذاکرۂ علمی کا آغاز کر رہے ہیں۔

رابطۂ ادب اسلامی نے مذاکراتِ علمی کے علاوہ ادب اسلامی کی وضاحت کے لئے دیگر طریقوں سے بھی کام انجام دیئے، رابطہ کے برّصغیر کے دفتر نے ایک ماہانہ عربی خبرنامہ بھی شائع کیا جس نے چار سال کی مدت اب پوری کر لی ہے۔ خبرنامہ دراصل ایک مختصر مجلّہ تھا، اس میں ادبِ اسلامی کے مختلف موضوعات پر مضامین، تبصرے اور علمی مفید نوٹس شائع ہوتے رہے، اب یہ طے ہوا ہے کہ ایک وقیع عربی سہ ماہی مجلہ عربی دفتر سے اور دوسرا اردو سہ ماہی برصغیر کے دفتر سے نکلا کرے، عربی مجلہ کا پہلا شمارہ الحمد للہ ظہور پذیر ہو چکا ہے، اردو مجلہ کا پہلا شمارہ[1] تیار ہے، وہ ایک ماہ کے اندر انشاء اللہ ظہور پذیر ہو جائے گا، اس کے علاوہ رابطہ کے دفتر نے متعدد مفید موضوعات پر کتابیں اور رسالے بھی شائع کئے، اور ان کی اشاعت دونوں دفتروں سے کی گئی، اور دیگر رسائل و مجلّات و مقالات بھی شائع کئے گئے۔

صحافتی کام کے علاوہ ادب اسلامی کے فکر کی اشاعت کے لئے شہروں میں وفود بھی بھیجے، اس سلسلہ میں تقریباً دو سال قبل ایک وفد یہاں بنارس میں بھی آیا تھا، اور جامعہ سلفیہ میں ایک اجتماع بھی منعقد ہوا تھا، اس موقع پر ہمارے برصغیر کے دفتر کے ایک فاضل رکن مولانا عبد النور ندوی مرحوم بھی شریک وفد تھے، مرحوم کا ادب کے سلسلہ کا مطالعہ بڑا گہرا اور وسیع تھا، اور ان سے رابطۂ ادب اسلامی کے کام کو بڑی مدد ملتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ ایک طویل علالت کے بعد اپنے رب سے جا ملے، ہمارے دفتر کو ان کے انتقال سے بڑا صدمہ پہونچا،

[1] یہ رپورٹ بہت پہلے لکھی گئی تھی، اب الحمد للہ اردو مجلہ "کاروانِ ادب" کا بھی پہلا شمارہ منظرِ عام پر آچکا ہے، اور یہ دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مولانا عبدالنور صاحب کا تعلق جامعہ سلفیہ سے بھی رہا ہے، ان کی خواہش بھی تھی کہ یہاں مذاکرۂ علمی منعقد ہو، آج وہ ہم میں ہوتے تو بڑی مسرت محسوس کرتے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی کوششوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

حضرات! ہم جامعہ سلفیہ کے ذمہ داروں کے بہت شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس اہم مذاکرۂ علمی کے منعقد کرنے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا، اور جامعہ میں اس کے انعقاد کے لئے ضروری انتظامات کئے، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

مگر یہ حرف شیریں ترجماں...

(خطبۂ صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اپنی اور عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے ممبر رفقاء کار کی طرف سے آپ تمام حضرات کو خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے بہت مسرت ہو رہی ہے، سچ تو یہ ہے کہ آپ جیسے ماہرینِ علم و ادب کی یہاں موجودگی میرے لئے ایک نادر موقع ہے، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ایسے سنجیدہ اور اہم موضوع پر گفتگو اور تبادلۂ خیال مناسب معلوم ہوتا ہے جس کی زبردست علمی و ادبی اہمیت، اور جس کے بڑے دینی و تاریخی فوائد سے انکار مشکل ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ ابھی کچھ پہلے تک عربی ادب اور عربی تقریر و تحریر کے ماہرین نے اس اہم ترین موضوع کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ دعوت و تحریر و تقریر اور انتہائی پُر اثر بیان و تعبیر کے ایک عظیم سرچشمہ اور براہ راست دل موہ لینے والی دولتِ بیدار سے وہ محروم رہے، اس طرح عربی ادب چند بناوٹی اور بے جان اسالیب کا مرقع بن کر رہ گیا، اس نے بے روح اور بے مزہ صنائع و بدائع اور سجع و قوافی کی بیڑیاں پہن کر اپنا قافیہ تنگ کر لیا۔ اس مجرمانہ طرزِ فکر و عمل کے اثراتِ بد سے ادب کے مؤرخین و ناقدین، ادبی شہ پاروں اور امثال و اقوال کے جمع کرنے والوں میں سے شاید ہی کوئی محفوظ رہ سکا ہو،

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

حدیث نبوی کی ادبی و تعبیری خصوصیات کا اس کے وسیع پس منظر میں اور اس کے حیرت انگیز ادبی نمونوں کی روشنی میں جائزہ لینے سے پہلے، اور صحابۂ کرامؓ کے واقعات و شہادات ان کے تلخ و شیریں تجربات اور سیرتِ نبوی و تاریخ اسلامی کے اُن ناقابلِ فراموش لمحات

میں آپ سب کو لے کر گم ہو جانے سے پہلے جو اصحابؓ رسولؐ کے آنکھوں دیکھے اور کانوں سُنے ہوئے ہیں اور جن کے راوی اول بھی یہی رشکِ ماہ و انجم صحابہؓ تھے، جی چاہتا ہے کہ تبرّکاً ہی سہی، نبوی ادب کے چشمۂ صافی اور کلام رسولؐ کے لعل و جواہر سے بات شروع کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس بے مثال قوتِ بیان، سلاست و تعبیر اور لسانی معجز نمائیوں سے نوازا تھا، دنیا کے بڑے بڑے نقادوں اور ادب کے رمز شناسوں اور دیدہ وروں نے جس کا کھُل کر اعتراف کیا ہے۔

مٹی کے بنے ایک ایسے آدمی کے بارے میں دنیا کیا رائے قائم کرے گی جس کی زبان قرآن سے رچی بسی ہو، قرآن اس کا گوشت پوست بن گیا ہو اور اس کی شخصیت میں روح کی طرح سرایت کر گیا ہو، اس کے قلب و جگر میں اور اس کی رگ رگ میں خون کی طرح رواں دواں ہو، اس کی دانش و بینش قرآن ہی سے کسب فیض کرتی ہو، اور وہ قرآن کے ساتھ اس طرح یک جان ہو گیا ہو کہ دونوں کو الگ کرنا آسان نہ رہے، ظاہر ہے کہ ایسی طاقتور باہمی یگانگت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا، اس کے بعد بھی اگر اس اشرف الخلائقؐ کا کلام وحی منزّل نہیں تو ایک بڑے انشا پرداز اور شاعر مصطفیٰ صادق الرافعی کے الفاظ میں یہ تو ماننا ہی پڑے گا:

> "(وحی)، آپؐ ہی کے واسطہ سے آئی، اس کا کوئی ظاہری ثبوت نہ بھی ہو تو آپؐ بہ نفس نفیس اس کا بیّن ثبوت ہیں، وحی نے ہی آپ کے لئے سخنوری کی راہیں ہموار کیں اور ابدالآباد کے لئے اقلیم سخن آپ کے قدموں میں ڈال دی۔ جیسے سیلاب کے بعد اس کی رہگذر سدا بہار ہو جائے، زرخیزی و بارآوری اس کا مقدر بن جائے۔
>
> بنی ہاشم کے اس یتیم بچے کو کوئی کس نام سے پکارے، جسے ام القریٰ کی مٹی نے جنم دیا، جو خانوادۂ بنی سعد بن بکر کی آغوش میں پلا بڑھا، قبیلۂ قریش میں جس کے شب و روز گزرے، جس کا ننہال بنو زہرہ میں تھا، شادی بنی اُسد میں ہوئی، ہجرت کر کے بنی عمرو میں پہنچا، اس فرد بشر کو کیا سمجھا جائے جس کے

سیرت نگار کہتے ہیں کہ وہ "غمگین طبیعت افکار میں گم، بے چین و بے آرام رہا کرتا تھا، بے ضرورت بولتا نہ تھا، ایک بولتی ہوئی خاموشی اس کی پہچان تھی، لب کشائی ہمیشہ بامعنی ہوتی، بات ہمیشہ پوری وضاحت پر ختم ہوتی ...... اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اپنے کوزے میں مفہوم معانی کے دریا بند رکھتا، ہر جملہ ایسا جامع و مانع جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔"

عربی زبان وادب کے بے مثال رمز شناس ابو عثمان بن بحر الجاحظ بہترین کلام کی پہچان بناتے ہوئے کہتے ہیں۔ اور سونا تو وہی ہے جسے سُنار کھرا بتائے:

"بہترین کلام وہ ہے جس کا اختصار تفصیل سے بے نیاز کردے، جس کے معانی و مفہوم الفاظ سے پھوٹے پڑتے ہوں، ایسا لگتا ہے جیسے اللہ رب العزّت نے عظمت و شکوہ کا ایک جامۂ دلفریب پہنا کر اپنے حبیبؐ کو دانش و حکمت کے نورانی ہالے میں لے لیا تھا جس پر کہنے والے کی پاکیزگی، احساس ذمہ داری اور خلوص نیت سایہ فگن ہے۔ چنانچہ اگر معنی بلند اور لفظ بلیغ و بے آورد نیز ہر طرح کے ابہام و تصنع سے پاک ہے تو دلوں پر اس کا وہی اثر ہوگا جو بارشِ کرم کا زرخیز مٹی پر ہوا کرتا ہے، زبان سے ادا ہونے والے الفاظ جس حد تک ان شرائط پر پورے اُتریں گے اور بولنے والا بولتے وقت جس درجہ ان کی رعایت رکھے گا اسی درجہ براہ راست وہ دل کے تاروں کو چھو سکیں گے، ان کے مفہوم و معانی کو غیبی تائید و تاثیر ملے گی، از دل خیزد و بر دل ریزد کا سماں پیدا ہوگا، اور سرکش سے سرکش ذہن اور بڑے سے بڑا سنگ دل ان لفظوں کے نہ صرف آہنگ بلکہ ان کی آہٹ پر بھی موم ہو کر رہے گا۔"

نبی رحمتؐ کے ان الفاظ پر ذرا غور کیجئے:

"مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکان منھا نقیۃ قبلت الماء

فأنبتت الكلاء والعشب الكثير۔ وكانت منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا، واصاب منها طائفة أخرىٰ، انما هي قيعان لا تمسك ماءً ولا تنبت كلأً فذٰلك مثل من فقه من دين الله ونفعه ما بعثني الله به فعلم وعلّم ومثل من لم يرفع بذٰلك رأساً، ولم يقبل هدى الله التي أرسلت به۔"

"باری تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت و علم دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال موسلا دھار بارش کی طرح ہے کہ اچھی مٹی پر گرتی ہے تو وہ نم پاتے ہی زرخیز ہو جاتی ہے ہر سو پھل پھول اور سبزہ نظر آنے لگتا ہے، وہی بارش کبھی چٹیل اور پتھریلے میدانوں پر نازل ہوتی ہے تو پانی وہاں ٹھیر جاتا ہے، خود مستفید نہ ہوتے ہوئے بھی اس کا جمع کردہ پانی دوسروں کے کام آتا ہے، اللہ کے خوش نصیب بندے اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں اور اپنی کھیتاں سینچتے ہیں، لیکن اسی بارانِ رحمت کا نزول جب کسی بنجر زمین پر ہوتا ہے تو وہ نہ تو پانی کا ذخیرہ کر پاتی ہے نہ اس کی تہ سے کوئی سبزہ اور دانہ اُگتا ہے۔ اس مثال سے اُن دو طرح کے لوگوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے، جن میں ایک نصیب ور کو فہم دین کی دولت ملی اور میرے لائے ہوئے پیغام ربّانی سے اسے خوب فائدہ پہنچا، اس نے خود بھی سیکھا دوسروں کو بھی سکھایا اور تا حد نظر نور ہی نور پھیل گیا، دوسرا وہ بدنصیب کہ اس کے کان پر جوں بھی نہ رینگی، نجات دہندہ کی جانب اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اللہ کی طرف سے تمام جنّ و بشر کے لئے جو ہدایت دے کر مجھے بھیجا گیا ہے اس سے وہ اپنی آخری سانس تک تہی دست و تہی دامن ہی رہا۔"

"الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشتبهات لا يعلمها

کثیر من الناس، فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ، ومن وقع فی الشبہات کراع یرعی حول الحمی یوشک ان یواقعہ، ألا وإن لکل ملک حمی، ألا وان حمی اللہ محارمہ، ألا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، وإذا فسدت فسد الجسد کلہ، ألا وھی القلب۔"

"حلال و حرام بالکل واضح ہیں، البتہ دونوں کے بیچ کچھ مشکوک و مشتبہ چیزیں ضرور ہیں جن سے بہت سے لوگ واقف نہیں، ایسے میں جو شکوک و شبہات سے بچنے کی کوشش کرے گا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کی طرف سے مطمئن رہے گا، اور جو مشکوک و مشتبہ چیزوں سے دامن کشاں نہ رہا اس کی مثال اس چرواہے جیسی ہوگی جو اپنے جانوروں کو کھیت کی مینڈ پر چرانے کا عادی ہے، جو آنکھ بچتے ہی اِدھر اُدھر منھ مار سکتے ہیں۔ یاد رکھو ہر بادشاہ کے کچھ مخصوص و محفوظ علاقے ہوتے ہیں جہاں کسی کو پر مارنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی، مت بھولنا کہ اللہ کے وہ مخصوص و محفوظ علاقے اس کی بتائی ہوئی حدود ہیں جن سے ادنیٰ سی سرتابی غیظ و غضب الٰہی کو اُبھار سکتی ہے، کان کھول کر سنو کہ اس کالبدِ خاکی میں ایک چھوٹا سا ٹکڑا ایسا بھی ہے کہ وہ ٹھیک رہا تو سارا جسم ٹھیک رہے گا اور (خدانخواستہ) وہ بگڑا تو اس کا فساد روئیں روئیں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلے گا، اسے پہچاننے میں غلطی نہ ہو... اس کا نام "دل" ہے۔"

اور : "دل گیا ساری کائنات گئی"

"ان اکثر ما اخاف علیکم ما یخرج اللہ لکم من برکات الارض، قیل وما برکات الارض؟ قال زھرۃ الدنیا، لا یأتی الخیر إلا بالخیر، ان ھذا المال خضرۃ حلوۃ، وان کل ما أنبت الربیع یقتل حبطاً او یلم إلا آکلۃ الخضرۃ، اکلت حتی اذا امتدت خاصرتاھا۔

استقبلت الشمس فاجترت وثلطت وبالت ثم عادت فأكلت؛ وإن هذا المال حلوة من أخذه بحقه، ووضعه في حقه فنعم المعون هو، ومن اخذه بغير حقه كان الذي يأكل ولا يشبع لوان لابن آدم مثل واد مالاً لأحب ان له اليه مثله، ولا يملأ عين ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله على من تاب۔"

"تمہارے لیے مجھے جس چیز کا سب سے زیادہ ڈر ہے، وہ زمین کی برکتیں یعنی دنیا کی مادی نعمتیں اور آسائشیں ہیں۔ پوچھا گیا، زمین کی برکتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی چمک دمک۔ اچھائی، اچھائی سے ہی ابھرتی ہے، یہ مال و زر کیسا شاداب و شیریں ہے۔ بہار جو کچھ اُگاتی ہے، رائیگاں ہو جاتا ہے یا ٹھیر جاتا ہے، سوا اس کے جو سبزہ خور چوپائے کھا جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو وہ سورج کے رُخ بیٹھ کر جگالی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر بول و براز کے ذریعہ پیٹ خالی کر دیتے ہیں۔ پھر پہلے والا عمل دوہراتے ہیں اور کھانے، ہضم کرنے اور فضلہ باہر پھینکنے کا چکر چل پڑتا ہے۔ اس مال و دولت کا اصلی مزہ تو اسی کو ملے گا جو اسے اپنے حق بھر ہی لے، حق کی راہ میں ہی اسے خرچ کرے، اسی کو صحیح معنوں میں دولت راس آئے گی اور جو شخص ناحق مال ہڑپنے کی عادتِ بد میں مبتلا ہے اس کی مثال جوع البقر یا استسقاء کے اس مریض جیسی ہے جو کھاتا جائے پر شکم سیر نہ ہو، پیتا جائے اور آسودہ نہ ہو۔ انسانی حرص کا تو یہ عالم ہے کہ ایک وادی بھر دولت بھی اسے مل جائے تو اسے لالچ ستائے گی کہ کاش! اسی قدر اور بھی اس کے قبضہ میں آجائے، اس کی چشمِ ہوس کو صرف مٹی بھر سکتی ہے اور کچھ نہیں، توبہ کی قبولیت تو ان ہی کا مقدر ہے جو تائب ہونا چاہیں۔"

"سبعة يظلهم الله يوم لا ظل إلا ظله، الحديث، وفيه

ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتیٰ لا تعلم شماله ما تنفق یمینه، ورجل ذکر الله خالیاً ففاضت عیناه"، ان المکثرین هم المقلّون یوم القیامة إلا من اعطاه الله خیراً فنفخ فیه یمینه وشماله وبین یدیه ووراءه وعمل فیه خیراً۔"

"سات شخص وہ مقدر والے لوگ ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایۂ رحمت میں رکھے گا، جس دن روئے زمین کا چپہ چپہ سایہ کو ترس رہا ہوگا، ــــ آگے فرمایا: "وہ شخص جس کے ایک ہاتھ سے دیئے ہوئے صدقہ کی خبر دوسرے ہاتھ کو نہیں ہوتی، ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرتے کرتے آبدیدہ ہو جاتا ہے"۔ آج کے یہ زردار، قیامت کے روز تہی دست و تہی دامن ہوں گے، استثناء صرف ان کا ہے جنھیں اللہ نے کسی نعمت سے نوازا تو وہ اپنے گردوپیش کو اس میں شریک کرتا ہے اور نعمت کا فائدہ اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔"

"سبحان الله ماذا انزل اللیلة من الفتن، ماذا أنزل من الخزائن، من یوقظ صواحب الحجرات، یارب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة۔"

"اللہ کی ذات پاک و بے نیاز ہے۔ آج کی رات کتنی آزمائشیں اور کیسے کیسے فتنے زمین پر نازل ہوئے، اور کیسے کیسے خزانے دنیا والوں کے سپرد کئے گئے۔ نازنینانِ خواب کو کون جگائے گا، افسوس! دنیا کی کتنی جامہ زیب عورتیں آخرت میں اپنی نافرمانیوں کے نتیجہ میں لباس کو ترسیں گی۔"

"قیل: یارسول الله! ما الجسر؟ قال: دحض مزلة فیها خطاطیف وکلالیب، وحسکة تکون بنجد فیها شویکة یقال لها السعدان، فیمر المومنون کطرف العین وکالبرق وکالریح وکالطیر وکأجاوید الخیل والرکاب، فناج مسلم

ومخدوش مرسل ومکدوس فی نارجہنم۔"

"پوچھا گیا، اے اللہ کے نبی! پُل صراط کیا ہے؟ فرمایا، ایک نہایت دشوار گذار اور پُرخطر راستہ جہاں ہر آن پھسلنے کا ڈر ہے، جہاں قدم قدم پر خاردار آہنی شکنجے لگے ہوئے ہیں، اور اونچی نیچی کٹیلی جھاڑیاں ہیں جن میں ایک خطرناک کانٹے کو سعدان کہا جاتا ہے، اس پُل پر سے اہلِ ایمان گذریں گے، بعض چشم زدن میں اس کے پار ہوں گے، کچھ برق رفتار ہوں گے، کچھ صبا رفتار، بعض پرندوں کی طرح اڑتے ہوئے اور بعض شہ سوارانہ گذریں گے۔ چنانچہ بعض بالکل بہ سلامت پار ہو جائیں گے بعض لہولہان ہو کر اور کچھ بدنصیب دوزخ میں منھ کے بل گر جائیں گے۔"

احسان کا مفہوم بتاتے ہوئے زبانِ نبوت سے ارشاد ہوتا ہے:

"ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔"

"اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ پاتے تو وہ تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد نبویؐ ہے:

"انما الناس کالابل المائۃ لاتکاد تجد فیہا راحلۃ۔"

"لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے سو اونٹوں کا گلہ ہو لیکن سواری کے لائق ان میں شاید ہی کوئی مل سکے۔"

"إنما الأعمال بالنیات۔"

"عمل کا دار و مدار نیّت پر ہے۔"

"الید العلیا خیر من الید السفلیٰ۔"

"دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔"

"لا تجعل یمینک علیٰ شمالک۔"

"اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیادتی مت کرنے دو"۔

"المضعف امیر الراکب"۔

"کمزور شخص ہی میرِ کارواں ہے"۔

"ایاکم وخضراء الدمن"۔

"گندگی میں اُگنے والے سبزہ سے دامن بچاکر رکھو"۔

"من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ"۔

"انسان کے لئے اسلام کی بہترین شکل یہ ہے کہ وہ فضول باتوں سے پرہیز کرے"۔

"الاثم ماحاك فی صدرك"۔

"اصلی گناہ تو وہی ہے جو دل میں کھٹکنے لگے"۔

"دع ما یریبك الی مالا یریبك"۔

"مشکوک ومشتبہ چیزیں چھوڑ کر وہ چیزیں اختیار کرو جو شک وشبہ سے پاک ہیں"۔

"الدین النصیحۃ"

"دین تو دراصل خیر خواہی کا دوسرا نام ہے"

کیا جاحظ کے مندرجہ بالا الفاظ کلامِ نبوی کے سوا کسی اور کلام کے لئے تحریر کئے گئے ہیں؟

ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، کلامِ نبوی کے سوا اور کون سا کلام اس کا سزاوار ہے کہ باری تعالیٰ اس کے حرف حرف میں عظمت وشوکت بھر دے، اور کلام کے کلیم کی نیت اور تقوے کے شایانِ شان حکمت کے نور سے اسے منور کردے، اور توفیق وتائید غیبی کا وہ جلال وجمال اسے عطا فرمائے کہ سرکش سے سرکش دل اس کی تعظیم وتقدیس پر مجبور ہو جائیں۔

اس کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام معجزانہ امتیاز کے باوجود ایک سادہ لوح سامع

اسے سُن کر سمجھتا ہے کہ وہ خود بھی اس کی تقلید کر سکتا ہے۔ ابن مقفع کے نزدیک بلاغت اسی کا نام ہے اور سہل ممتنع اسی کو کہتے ہیں۔

ایک اور جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام معجز نظام کی توصیف کرتے ہوئے جاحظ رقم طراز ہے، اور اس جیسے قادر الکلام وصف نگار اور نکتہ شناس سے بڑھ کر یہ سعادت کسے نصیب ہوگی، اسی پر سر دست اکتفا کرنی مناسب ہے:

"وہ ایسا کلام ہے جس کے حروف کی تعداد کم، مفہوم و معانی کی مقدار فزوں تر، تصنع سے پاک، تکلف سے بری، تفصیل کی ضرورت ہو تو مفصل، اختصار کافی ہو تو مختصر، نہ متروک و نامانوس الفاظ، نہ لوچ پوچ اور سوقیانہ تعبیر، گویائی، میراثِ دانش کی تقسیم، خموشی فکر و نظر کا پیغام، دہانِ مبارک سے ادا ہونے والا ہر جملہ تجلیاتِ ربانی کے ہالے میں، تائید الٰہی کی متانت، توفیق ایزدی کی سلاست، یہی وہ کلامِ جمیل ہے جس کا خمیر اللہ کی عطا کردہ محبت و قبولیت سے اٹھا ہے، ایک طرف اس میں شکوہ و جلال، دوسری طرف شیرینی و جمال، کوئی سنے تو فہم و فراست کو جِلا ملے، دیکھے تو الفاظ بس گنے چُنے، نہ آپ کو اس کی ضرورت کہ اپنے جُملوں کو دُہرائیں، نہ سُننے والے کو اس کی حاجت کہ:

"سمجھے نہ کوئی بات مکرر کہے بغیر"

نہ کوئی لفظ روا روی میں زبانِ نبوت سے نکلا نہ کبھی کوئی قدم بہکا، نہ کوئی دلیل کمزور و بے اثر ثابت ہوئی، نہ کوئی حریف آپ کے سامنے ٹک سکتا، نہ کوئی خطیب آپ کو لاجواب کر پاتا۔ آپ کی مختصر مگر جامع گفتگو کے آگے طول طویل خطابت ہیچ اور شعلہ بار خطیب سراگندہ، کبھی حریف کی زباں بندی کے جتن نہ کرتے البتہ اس کی عقل و فہم کے مطابق اسے سمجھانے کی کوشش فرماتے، صرف سچے اور پکے دلائل سے کام لیتے، راستی و حق گوئی میں ہی کامیابی تلاش کرتے، نہ پُر فریب بحث مباحثہ کرتے نہ چرب زبانی سے کام

لیتے، نہ طعن و تشنیع نہ تذلیل و تضحیک، نہ ہجو و تمسخر، گفتگو میں نہ سست روی نہ جلد بازی، نہ بے ضرورت تفصیل، نہ بے موقع اختصار۔ آپؐ سے پہلے بنی نوع انسان کے لیے ایسا کلام ناشنیدہ ہی رہا تھا جس کا نفع عام اور بھرپور، جس کا ہر لفظ صدق و صفا کا عنوان، جو توازن لفظی و معنوی کا شاہکار، حسن ظاہر اور جمال باطن کا مرقع، رعنائی و زیبائی اس پر صدقے، گہرائی و گیرائی اس پر نثار، تاثیر و روانی کا پیکر جمیل، مفہوم و معنی، صوت و ادا کے شانہ بہ شانہ، گوہر مقصود مانند مہر عالم تاب۔ یہ ہے نبوت کی شیریں دہنی، اور کلام حبیبؐ بہ زبان حبیب۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے رسول اکرمؐ سے مروی و ماثور دعائیں بھی۔ اپنی معنویت و روحانیت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ترین ادبی حیثیت کی حامل ہیں۔ دعا تو دراصل ادب کا دُرِّ یتیم ہے، اور اس کا ایسا لافانی اور نادر نمونہ ہے کہ ویسی دوسری مثال سے حضرت انسان کا تمام کا تمام ادبی کتب خانہ خالی تھا اور خالی ہی رہے گا۔

شخصی و انفرادی خطوط و رسائل کو بھی ادب کے نقاد بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ اس میں سادگی و پُرکاری بھرپور، تکلف و تصنع سے دور، جگ بیتی سے پہلے آپ بیتی کی سچی تعبیر ہوا کرتی ہے، البتہ ناقدین ادب یہ سمجھنے سے چوک گئے کہ ادب کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس کی سادگی و سچائی کو خطوط و رسائل بھی نہ پا سکے، جہاں پہنچ کر تمام ادبی و لسانی اصطلاحات و محاورے گرمیِ جذبات میں تحلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ادب کی یہ صنف تب وجود میں آتی ہے جب لکھنے یا بولنے والا اپنے کلام یا تحریر میں خونِ جگر کی آمیزش کر دیتا ہے کہ:

"نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر"

اور اس کی زبان براہ راست دل کی ترجمان بن جاتی ہے، اس کی دھڑکن کو الفاظ میں ڈھالنے لگتی ہے اور جذبات کی سچی پیکر تراشی کرتی ہے، اس

وقت متکلم تمہید وتشبیب سے یکسر بے نیاز، صلہ وستائش سے بے پرواسامعین سے بے گانہ، دل ہی مخاطِب، دل ہی مخاطَب، جذبات واحساسات سے سرگوشیاں کرتا ہوا صرف اپنے خالق سے ہم کلام ــــ ادبِ عالی کی یہی وہ صنفِ جمیل ہے جسے "دعا" اور مناجات کا نام دیا گیا ہے۔

آنحضورؐ کے رشکِ نجوم اصحاب نے اسی نورِ دعا و مناجات سے کسبِ فیض کیا تھا۔ انبیائے کرامؑ تو وہ مقرّبانِ بارگاہ لوگ تھے جن کے ہم نشینوں کو شقاوت و بے توفیقی چھو بھی نہیں سکتی۔ وہی لوگ اس علم کے علَم بردار ہیں، اور بندگانِ الٰہی میں اس سے استفادے کے سب سے بڑھ کر مستحق ہیں، کوئی دوسرا اس میدان میں ان کا ہمسر نہیں۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ تو محض عطائے الٰہی ہے، اگر اس کو بارانِ کرم مانا جائے جس میں کوئی شک بھی نہیں۔ تو اسے زرخیز مٹی بھی مل گئی اور وہ بالکل تیار و منتظر زمین پر نازل ہوئی۔ جیسا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: "قبلت الماء فأنبتت الکلأ و العشب الکثیر" مٹی نے پانی کو قبول کیا، تو چارہ وسبزہ اُگنے لگا اور پھل پھول کھل اُٹھے۔ یہ قلبِ ماہیت صرف اس طرح ہو گیا کہ لوگ آپ کے پاس اُٹھتے بیٹھتے، سائے کی طرح ساتھ رہتے، آپ سے بالکل گھُل مِل جاتے جیسے آپ کے فردِ خاندان ہوں، ہر لمحے کے صحبت یافتہ، آپ کی محبّت سے سرشار، کلامِ نبوی کے محرمِ اسرار، آپؐ کی ہر نقل و حرکت کے پیروکار، اور تمام رموزِ گفتن کے ادا شناس تھے۔

سیرت و حدیثِ نبویؐ کی کتابوں پر نظر ڈالئے تو ماننا پڑے گا کہ وہ معجز بیانی کا شاہکار ہیں۔ . . . . . .

ایسے سحر انگیز ادبی شہ پارے جن سے ادبِ عربی کا تمام تر ذخیرہ اپنی ہمہ گیری

وہم دانی کے باوجود محروم تھا۔ یہی اس زبان کی بیک وقت لچک اور پختگی کا ثبوت بھی ہے، کہ وہ نازک ترین انسانی جذبات و احساسات، گہرے اور باریک تر وجدان و کیفیات کی بہ سہولت تعبیر و ترجمانی کر سکتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات کی کامیاب تصویر کشی اور بھرپور وصف نگاری اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، اولیں عرب ماہرین شعر و ادب کا اسلوب اور اندازِ بیان آج بھی ایام عرب کے کتابی ذخیروں میں محفوظ ہے۔ اور اگر رقاشی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ :

عربوں کا بہترین نثری کلام ان کے بہترین شعری کلام سے بہت زیادہ تھا۔ لیکن ایک طرف نثری شاہکاروں کا دسواں حصہ بھی محفوظ نہ رہ سکا دوسری طرف شعری شہ پاروں کا دسواں حصہ بھی ضائع نہ ہو سکا۔"

تو حدیثِ نبوی کے مجموعہ تاریخ ادب عربی کے اس خلا کو بخوبی پُر کرتے ہیں۔ کتب حدیث نے یہ بے مثال ادبی خزانہ جس کے ضائع ہو جانے کا شبہ کیا جاتا تھا قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا، اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی تمام سندیں متصل ہیں، روایتیں متواتر ہیں، اس لحاظ سے یہ فصیح و بلیغ عربی زبان کا سب سے معتبر ذریعہ ہے۔ عربی زبان اپنے عہد زرّیں میں ساری دنیا پر چھائی رہی تھی، ان کتابوں نے سارے جزیرۃ العرب میں بکھرے ہوئے ادبی شہ پاروں کو محفوظ و یکجا کر دیا۔

ان کتابوں میں طویل قصے بھی ہیں اور مختصر بھی، اور سب کے سب خالص عربی زبان کے بہترین نمونے ہیں جو اوّلین عرب اپنے روزمرہ زندگی میں استعمال کیا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے تھے۔ ادب عربی کے طالب علم کو اس میں نطقِ اعرابی کی بلاغت، زبان و بیان کی قدرت، نازک تعبیرات، دقیق وصف نگاری، بے تکلفی اور روانی سب کچھ یکجا مل جائے گی اور وہ اس کے سامنے ذہن و دل کی تمام نیرنگیوں کے ساتھ سجدہ ریز ہوگا اور اس فصاحت و بلاغت اور جلال و جمال کے اعتراف کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں

رہے گا۔

جہاں تک طویل روایات و قصص کا تعلق ہے وہ بڑا قیمتی ادبی ذخیرہ ہے۔ جس میں عظمتِ فن بھی ہے اور عرب راوی کی بلاغت و امانت کی جلوہ گری بھی، نیز وصف و تعبیر کا مصوّرانہ کمال بھی، اس موقع پر اس کی دراز نفسی پورے طور پر کارفرما نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک حکایت بیان کرتے ہوئے اس کے اَن گنت معانی و مطالب، نازک احساسات اور نو بہ مناظر کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے، نہ زبان اس کا ساتھ چھوڑتی ہے نہ بیان میں کہیں لکنت ہوتی ہے، الفاظ و تعبیرات اس کے زرخرید معلوم ہوتے ہیں، لگتا ہے فنون لطیفہ کا ایک نہایت مرتب و متوازن نمونہ ہے، جس میں آرٹسٹ (فنکار) کا برش بڑی چابکدستی سے بولتے ہوئے رنگ بکھیرتا چلا جا رہا ہے، یا وہ کوئی نہایت حسین و دلکش تصویر ہے جسے مصور نے تمام نوک پلک سے سنوارا ہے۔

کعب بن مالکؓ کا قصۂ درد سنئے، جب وہ غزوۂ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے، اور یہ موضوع بڑا نازک و کرب انگیز ہے۔ جس میں ان کی صاف گوئی، خود اپنے خلاف گواہی کی جرأت اور کوتاہی کا اعتراف قابلِ دید و شنید ہے، اس تیرہ و تار اور اذیت ناک ماحول کی تصویر کشی جس میں پورے پچاس روز تک وہ سانس لینے پر مجبور ہوئے بڑی عبرت انگیز ہے، اسی طرح ان مجروح جذبات کی پیکر تراشی بڑی باکمال ہے جو ان کے سینے میں موجزن تھے اور برابر ان کے دل سے برسرِ پیکار تھے، ادھر اپنے چاہنے والوں اور چہیتوں کی بے رُخی اور ناراضگی ان کا جینا دوبھر کئے ہوئے تھی حالانکہ ان کے ساتھ ان کا جذبہ و عقیدہ کا اٹوٹ رشتہ بھی تھا۔ ان کی دوری و مہجوری نے ان کا کھانا پینا، سونا جاگنا اور اٹھنا بیٹھنا تک حرام کر رکھا تھا۔ اس بھری پُری دنیا میں انھیں ان کا کوئی بدل بھی نصیب نہ تھا نعم البدل تو دور کی بات ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر کعب بن مالکؓ نے اس روحانی رشتہ اور رگ رگ میں پیوست اس بے مثال محبّت کا جو انھیں آنحضرتؐ کی ذات والا صفات کے ساتھ تھی ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اس مضبوط و محکم تعلق کو نہ کوئی سزا و عتاب توڑ سکتا ہے نہ شاہانہ توجہات اور فیاضانہ

پیش کش یا مراحم خسروانہ اسے کمزور کر سکتے ہیں، ابو فراس حمدانی نے کیا خوب کہا ہے :

کذاك الوداة المحض لایرتجی لہ ثوابٌ ولایخشی علیہ عقاب

پھر اس قلبی سرور و طمانینت کا منظر ناقابل فراموش ہے جو توبہ کی قبولیت کی خبر سے آپ کے پورے وجود پر طاری ہوگیا تھا۔ یہ موضوع بھی کس قدر زہرہ گداز ہے، پھر اس میں کتنی نزاکتیں اور پیچیدگیاں ہیں :

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا ست

لیکن اپنی شہرۂ آفاق عربی فصاحت و بلاغت کی بدولت وہ ان تمام خارا شکن مراحل سے کامران گذر جاتے ہیں، تمام نفسیاتی اور ادبی گتھیوں کو چشم زدن میں سلجھاتے ہوئے ایک ایسا گنجینۂ معرفت و ادب ہمارے لئے چھوڑ جاتے ہیں جس پر رہتی دنیا تک ہم فخر کرتے رہیں گے۔

یہ چھوٹی سی عبارت جو ان کی طویل کہانی سے اخذ کی گئی ہے چشم دل سے پڑھنے اور گوش دل سے سننے کے لائق ہے، پہلے تو وہ ماحول و مصالح بیان کرتے ہیں جن میں یہ غزوہ پیش آیا تھا۔ پھر اس نفسیاتی کیفیت کا بیان ہے جس کی بنا پر وہ شرکت سے بچھڑے رہ گئے، کیسے کیسے تذبذب و تردد اور قوتِ فیصلہ کے فقدان کا شکار وہ رہے حالانکہ غزوات سے دامن بچانا نہ ان کی عادت تھی نہ ان جیسوں کے شایانِ شان۔ اس عبارت پر جو تاثیر جو حسن بیان، سچی منظر کشی اور تعبیر کی جو مہارت سایہ فگن ہے وہ سیکھنے سمجھنے اور دل کی پنہائیوں میں سمو لینے کے لائق ہے :

"وغزا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تلك الغزوة حین طابت الثمار والظلال، وتجهز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) والمسلمون معه، فطفقت اغدو لكی اتجهز معهم فارجع ولم أقض شیئاً، فأقول فی نفسی وأنا قادر علیه۔ فلم یزل یتمادی بی حتی اشتد الجد، فاصبح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) والمسلمون معه، ولم أقض من جهازی شیئاً، فقلت اتجهز بعده بیوم أو یومین ثم ألحقهم، فغدوت بعد ان فصلوا

لأتجهز فرجعت ولم أقض شيئاً، ثم غدوت فرجعت ولم أقض شيئاً، فلم يزل بي حتى اسرعوا وتفارط الغزو، وهممت أن أرتحل فأدركهم، وليتني فعلت! فلم يقدر لي ذلك، فكنت إذا خرجت في الناس بعد خروج رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فطفت فيهم، أحزنني أني لا أرى إلا رجلا مغموصاً عليه النفاق، أو رجلاً ممن عذره الله من الضعفاء"۔

"اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت شریک ہوئے جب پھل پھول پک کر تیار ہو رہے تھے اور سایہ بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ آنحضورؐ اور آپ کے ساتھ تمام مسلمان کوچ کے لئے تیار ہو گئے، میں بھی صبح اٹھتا کہ ان کے ساتھ تیاری کر لوں، لیکن کوئی فیصلہ کئے بغیر پلٹ آتا اور دل میں کہتا کہ میرے پاس تو آج تمام اسباب و زاد سفر موجود ہے، کسی بھی وقت چل نکلوں گا، یوں ہی وقت ٹلتا رہا، صبح سے شام، شام سے صبح ہوتی رہی یہاں تک کہ سب کمربستہ ہو گئے، پو پھٹتے ہی آنحضورؐ سب مسلمانوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، میں نے اسباب سفر کا کوئی فیصلہ نہ کیا، پھر سوچا ایک دو روز بعد تیاری کر کے ان سے جا ملوں گا۔ پھر اٹھا، سب کی روانگی کے بعد کہ تیاری کر لوں، لیکن آہ! پھر کسی فیصلہ کے بغیر پلٹ آیا، پھر چلا، پھر کچھ طے نہ کر سکا، یہی ہوتا رہا تا آنکہ وہ سب تیز گام نکل گئے، میں نے چاہا کہ چل پڑوں اور سب سے جا ملوں، کاش! یہی کرتا، لیکن یہ مقدر نہ تھا، اب آنحضرتؐ کی روانگی کے بعد جب باہر نکلتا اور لوگوں میں گھومتا پھرتا، تو یہ دیکھ کر رنج ہوتا کہ بستی میں یا تو وہ رہ گئے جن پر نفاق کا شبہ ہے، یا وہ کمزور و ناتواں جنھیں اللہ نے بھی معذور قرار دے دیا ہے"۔

دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ کعب بن مالکؓ نے اپنی حالت کی کیسی تصویر کشی کی ہے جب کہ مسلمان انھیں چھوڑ چکے تھے، ان سے بات چیت منع کی جا چکی تھی، وہ اس

عاشق کا حالِ زار کس طرح بیان کرتے ہیں جس کا محبوب اس سے برگشتہ ہو جائے۔ تأدیب و تنبیہ اور سزا کی غرض سے۔ اور یہ بے چارہ اس کی محبت کا دیوانہ، ایک نگاہِ غلط انداز کو بھی ترستا رہ جائے، البتہ محبوب کا روز افزوں عتاب اور بے رُخی اس کی محبت میں کمی کرنے کی جگہ آتشِ عشق کو کچھ زیادہ بھڑکانے لگے۔ عشق کا سوز دروں اور دید کی پیاس ہر دم فزوں تر ہوتی رہے، عشق روز افزوں کی یہ کہانی عاشق زار کی زبانی ہی سُننے کے لائق ہے:

"ونھیٰ رسول الله (صلی الله علیه وسلم) المسلمین عن کلامنا أیها الثلاثة من بین من تخلف عنه، فاجتنبنا الناس وتغیروا لنا حتی تنکرت فی نفسی الأرض فما ھی التی أعرف، فلبثنا علیٰ ذٰلك خمسین لیلة، فأما صاحبای فاستکانا وقعدا فی بیوتهما یبکیان، وأما أنا فکنت أشب القوم وأجلدهم، فکنت أخرج وأشهد الصلاة مع المسلمین، وأطوف فی الاسواق، ولا یکلمنی احد، وآتی رسول الله (صلی الله علیه وسلم) فاسلم علیه وھو فی مجلسه بعد الصلاة، فاقول فی نفسی ھل حرك شفتیه برد السلام أم لا؟ ثم أصلی قریبًا منه فأسارقه النظر، فاذا اقبلت علیٰ صلاتی أقبل إلی، واذا التفت نحوه أعرض عنی، حتی اذا طال علیٰ ذٰلك من جفوة الناس، مشیت حتی تسورت جدار حائط أبی قتادة، وھو ابن عمی وأحب الناس إلی، فسلمت علیه فو الله ما رد علی السلام، فقلت: یا ابا قتادة! انشدك بالله! ھل تعلمنی احب الله ورسوله؟ فسکت، فعدت له فنشدته، فسکت، فعدلت له فنشدته، فقال: الله ورسوله أعلم، ففاضت عیناى وتولیت حتی تسورت الجدار"۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بولنے بات کرنے کی ممانعت فرمادی، ہم تینوں ہی غزوہ تک پہنچنے سے رہ گئے تھے۔ چنانچہ لوگ ہم سے کترانے لگے، ہمارے حق میں وہ یکسر بدل کر رہ گئے، میرے لئے تو مادر گیتی کا رُخ ہی بدل گیا، اب روئے زمین ہمارے لیے جانی پہچانی جگہ نہ تھی، اسی بے کیفی و کسمپرسی میں پچاس راتیں گذریں، میرے دونوں ساتھی تو تھک ہار کر خانہ نشین ہو گئے، میں کہ ان کی نسبت کم عمر اور مضبوط تھا، برابر نکلتا، مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک ہوتا، اور ہر کوچہ و بازار میں گھومتا پھرتا، لیکن آہ! کہیں کوئی مجھ سے نہ بولتا نہ میرے سلام کا جواب دیتا۔ رسول اللہؐ کے پاس آتا، سلام عرض کرتا، آپ بعد نماز اپنی مجلس میں رونق افروز ہوتے، میں دل میں کہتا کہ آیا سلام کے جواب میں آپؐ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی یا نہیں؟ پھر میں جان بوجھ کر آپ کے قریب صفِ نماز میں کھڑا ہو جاتا اور کنکھیوں سے دیکھا کرتا، لیکن جب اپنی نماز کی طرف متوجہ رہتا تو آپ میری طرف ہلکی سی توجہ فرماتے، جب میں آپؐ کی طرف ملتفت ہوتا تو آپ نظر انداز کر جاتے۔ اس کے ساتھ جب لوگوں کی بے رُخی حد سے گذر گئی تو چلتے چلتے اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے گھر کی دیوار پر چڑھ گیا، اسے سلام کیا۔ خدا کی قسم اس نے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا، میں نے کہا: اے ابو قتادہ! میں تمھیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں، تم مجھے جانتے ہو کیا مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے؟ وہ خاموش رہے، میں نے پھر پلٹ کر انھیں قسم دلائی، پھر وہ خاموش رہے، میں نے تیسری بار قسم دلائی تو وہ بمشکل بولے: اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے، میری آنکھیں یہ سُن کر بھر آئیں، میں لوٹ آیا دوبارہ دیوار پر چڑھ کر باہر آگیا۔"

اسی طرح "حدیث الإفک" کا مطالعہ بھی طالبانِ ادب کے لئے خاصے کی چیز

ہے، جس کا حرف حرف ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ادبی مہارت، قوتِ بیان، صنفِ نازک کے لطیف و پاکیزہ جذبات و احساسات کی کامیاب ترین عکاسی کا بولتا ہوا ثبوت ہے، زیرِ مطالعہ پیراگراف میں شوہر کو ٹوٹ کر چاہنے والی ایک خاتون کے نازک جذبات، اپنی پاک دامنی و پاکیزگی پر بھرپور اعتماد سے متصف ایک شریف عورت کی خودداری جلوہ فگن ہے، اسے اپنے رب پر کامل بھروسہ اور ایمان ہے۔ اس نادر و نایاب آمیزہ میں جوش و ہوش اور لطافت و صلابت بیک وقت کارفرما ہیں، اس کے ساتھ جب حضرت عائشہ ام المومنینؓ کا حسنِ بیان بھی شامل ہو جائے جن کی پرورش و پرداخت ہی فصاحت و بلاغتِ عرب کے گہوارہ میں ہوئی تھی اور جو نطقِ اعرابی کی فضاؤں میں ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتی رہی تھیں، تو "رازداں" کو "رقیب" بنتے دیر نہیں لگتی، زبان و بیان، فصاحت و بلاغت، جذبات و احساسات، اور خودداری و خودنگری کے یہ تمام عوامل اس شہ پارۂ ادب کی فنی آرائش و زیبائش میں کام آگئے، اور اس کا شمار انسانی ادب کے جاوداں شاہکاروں میں ہونے لگا۔

اپنے بارے میں لوگوں کی چہ میگوئیوں اور افواہوں کا بیان کس کرب دروں کے ساتھ فرماتی ہیں جن کے سبب حضور کے چہرہ پر تغیر و تردد محسوس ہونے لگا تھا۔ صنفِ نازک کے پاسِ حیا اور احساسِ الم نیز شخصیتِ رسولؐ کے پورے ادب و احترام کے ساتھ کسی ابہام و عاجزی کے بغیر کس موثر انداز میں سخن طراز ہیں:

"قالت عائشة رضی الله عنها: فقدمنا المدينة فاشتكيت حين قدمت شهرا، والناس يفيضون فی اصحاب الإفك۔ لا أشعر بشيئ من ذلك، وهو يريبنی فی وجعی أنی لا اعرف من رسول الله (صلی الله عليه وسلم) اللطف الذی كنت أری منه حين اشتكی، إنما يدخل علیّ رسول الله (صلی الله عليه وسلم) فيسلم۔ ثم يقول: كيف تيكم؟ ثم

ینصرف فذٰلک یریبنی ولا أشعر بالشر۔"

"ہم مدینہ آ گئے، جہاں ایک مہینہ تک میں صاحب فراش رہی، لوگ بہتان طرازوں میں اُٹھتے بیٹھتے رہے۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ البتہ علالت کے ساتھ جو چیز میرے لئے زیادہ تشویش انگیز اور مشکوک تھی وہ یہ کہ آنحضورؐ کے "وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر، وہ کرم کہ تھا مرے حال پر" خاص کر اپنی علالت کے دوران، اس میں خاصی کمی آ گئی تھی، آجکل جب آپ میرے پاس تشریف لاتے تو سلام کے بعد صرف اتنا پوچھتے گذر جاتے کہ: "تم کیسی ہو؟" اس سے مجھے کچھ شک تو ہوا لیکن اتنے بڑے شر و فتنہ کا اندازہ نہ تھا۔"

یہاں وہ درد و کرب بھی دیدنی ہے جو اس قسم کی افواہوں اور بہتان پر ایک عفت مآب اور ستودہ صفات عورت محسوس کرتی ہے، فرماتی ہیں:

"میں تمام دن روتی رہی، آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے، نیند تھی کہ آتی ہی نہ تھی۔"

فرماتی ہیں:

"میرے والدین صبح سویرے میرے ساتھ تھے، دو رات اور ایک دن میں مسلسل روتی رہی تھی، نہ آنکھ لگتی تھی نہ آنسو تھمتے تھے، سوچنے لگی روتے روتے کہیں میرا کلیجہ پھٹ نہ جائے۔"

قصۂ درد سناتے سناتے یاد فرماتی ہیں کہ کس انداز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے متعلق چہ میگوئیوں کے بارے میں آپ سے پوچھا اور سچ بتانے کی تاکید فرمائی۔ یہ وہ فیصلہ کن لمحہ تھا جس میں اچانک ایک پاکدامن، بلند پایہ اور نہایت فاضل خاتون کی نسوانی حمیت اُبھر آئی، آنسوؤں کی بارش اچانک تھم گئی، احساس الم اور پاسِ حیا کی گرمی نے پلکوں پر اس کی نمی تک باقی نہ رہنے دی ــــ باعصمت و خوددار بیٹی نے والدین سے استدعا کی کہ اس کی طرف سے رسول اکرمؐ

کے سوال کا جواب دیں، ماں باپ دونوں کو تأمل ہوا، انھوں نے خاموشی ہی بہتر سمجھی، کچھ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام ولحاظ کی بنا پر، کچھ اپنی بیٹی کی مدافعت میں جو ایک طرح آپ اپنی مدافعت ہوتی شرم وحیا نے ان کی زبان روک دی، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے وقت کی زبردست ادیبہ، فصاحت وبلاغت جن کی گھٹی میں پڑی تھی ۔ انتہائی اعتماد، خودداری اور دو ٹوک انداز سے گویا ہوئیں، جنھیں سننے کے لئے ارض وسماء نہیں ملائکہ بھی گوش برآواز تھے، سیدنا یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے قول کو اپناتے ہوئے اپنا معاملہ بھی اللہ کے سپرد کر دیتی ہیں، اور آسمان سے آپ کی برأت وپاک دامنی کا اعلان ہو جاتا ہے، فرطِ مسرت سے مادر مہربان کا حکم ہوتا ہے کہ اٹھ کر اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا شکریہ ادا کریں اور آپ کے پاس جائیں....

..... عصمت وعفت کی دلکش ادائے بے نیازی اور زبردست غیرتِ ایمانی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعمیل حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی سپاس گذاری سے انکار کر دیتی ہیں کہ اسی ذات بے ہمتا، اسی عدل گستر، مالک بحر وبر نے سات آسمانوں پر سے آپ کی برأت کا واشگاف اعلان فرمایا تھا، اور اس طرح قیامت تک کے لئے، جب تک قرآن پر ایمان اور اس کی تلاوت رائج ہے آپ کی طہارت وعفت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔

ہجرت نبوی اور اس کی تفصیلات کی جو حکایت بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیر وسوانح میں محفوظ ہے اور ثانی اثنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طریق الہجرت میں جو کچھ گذری، پھر جس حال میں یہ نورانی قافلہ مدینہ پہنچا اور انصار مدینہ نے اس کا جو بے مثال استقبال کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے مدینہ کے ذرہ ذرہ کو جس فرحت ومسرت سے سرشار کر دیا اور وہاں کے پھل پھول ہی نہیں کانٹوں پہ بھی جس انداز سے بہار آئی، خاکِ یثرب جس طرح خاکِ شفا بن گئی، ان میں سے ہر ایک نکتہ ادبی وصف نگاری

شعلہ بیانی، قصہ گوئی و داستان سرائی کا مستقل موضوع بننے کے لائق ہے اور ہر ایک چیز اپنی اپنی صنف کی روشن مثال ہے۔

ان کے علاوہ اور دوسرے واقعات و حکایات بھی ہیں، جن میں دراز نفسی ہے اور حسن بیان بھی، جو صنائع و بدائع پر مشتمل ہے، اور قدیم عرب اسلوب کی شگفتگی بھی جس میں نمایاں ہے، جیسے حدیثِ صلح حدیبیہ، حدیث ایلاء، اور حکایت حلیمہ سعدیہ، یہ حدیثیں ادبی اعتبار سے اس کی مستحق ہیں کہ ادب کی تعلیم و تدریس میں سرفہرست رکھی جائیں۔ لیکن ہمارے ناقدین اور اربابِ ادب کی نظر ان پر اس لئے نہیں پڑی کہ براہ راست ادبی کتابوں میں انھیں جگہ نہیں ملی تھی، اور اس لئے بھی کہ ان کا تصورِ ادب محدود اور جامد تھا اور تکلف و سجع سے پاک ادبی شہ پاروں پر ان کی نظر نہیں تھی۔

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری
وکیل جامعہ سلفیہ بنارس

اسلامی ادب

اس توصیفی ترکیب میں دو لفظ ہیں، پہلا لفظ "اسلامی" نظری طور پر بیحد معروف ہے، لہذا اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ عملی و اعتقادی طور پر بہت سے مسائل و معاملات ایسے ہیں جن کی اسلامی نسبت پر علماء اسلام کو مخلصانہ طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم الفاظ کے پیچوں میں الجھ کر صدف پر قناعت کر لیں اور گہر ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں، اسلامی نسبت کا کم از کم تقاضہ یہ ہے کہ جن عقائد و اعمال کی شرکیہ حیثیت واضح ہے ان کو اسلام سے خارج کیا جائے اور اس سلسلہ میں کسی تاویل و تحریف کا سہارا نہ لیا جائے، اسلام کے نام پر ضلالت و انحراف پھیلانے والے افراد کی حقیقت واضح کرنا اور انسانی معاشرہ کو ان کے شرور سے محفوظ رکھنا درحقیقت اسلامی ادیب کی ذمہ داری ہے جسے ادا کرنے کے لئے اسے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے۔

توصیفی ترکیب کا دوسرا لفظ ادب ہے، ادب کی تشریح و توضیح میں علماء نقد و بلاغت نے تفصیل سے کام لیا ہے جس کے لئے معروف مآخذ کی جانب رجوع کیا جا سکتا ہے، ڈاکٹر شوقی ضیف نے اس لفظ کے معنوی سفر پر روشنی ڈالتے ہوئے اشارہ کیا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق علمی و عملی دونوں پہلوؤں پر ہوتا ہے۔ موصوف نے ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ کا قول نقل کیا جنھوں نے ادب کی تعریف میں عموم سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں:۔

الأدب هو حفظ اشعار العرب	یعنی عربوں کی تاریخ و شاعری کے حفظ اور
واخبارهم، والأخذ من كل علم	ہر علم سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کا نام ادب
بطرف۔	ہے۔

اس تعریف کی رو سے ادب میں تمام دینی و غیر دینی علوم اور بالخصوص بلاغت و لغت کے علوم داخل ہو جائیں گے۔

موصوف نے اس بحث کے اختتام پر حاصلِ بحث یہ بتایا ہے کہ: گذشتہ صدی سے لفظ ادب کے دو مفہوم معروف ہیں، اول عام ہے، فرانسیسی لفظ (LITTERATURE) کی طرح ہر تحریر پر بولا جاتا ہے، خواہ اس کا موضوع و اسلوب کچھ بھی ہو، ظاہر ہے کہ اس تعریف میں علم، فلسفہ اور ادب داخل ہے۔

ادب کا دوسرا مفہوم خاص ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ مفہوم کی تعبیر میں جمال و تاثیر موجود ہو، یعنی بات ایسے انداز و اسلوب میں کہی جائے کہ قاری و سامع دونوں کے جذبات متأثر ہوں، شعر اور ادبی منثورات یعنی خطابت، امثال، قصہ، ڈرامہ اور مقامات میں یہ تاثیر معروف ہے۔

ادب میں التزام و مقصدیت کی بحث کسی زمانہ میں عروج پر تھی، اب اس میں وہ گرمی باقی نہیں رہ گئی، التزام کے حامیوں کو عام طور پر مطعون کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ ادب کو اس کے دائرہ سے باہر لے جا رہے ہیں لیکن وقت گذرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ آزادی کا نعرہ لگانے اور مطالبہ کرنے والے خود اس خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔ حقیقۃ الأدب کے نام سے خاکسار کی ایک چھوٹی سی تحریر ہے جس میں مختلف ادباء و ناقدین کے اقوال پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ ادب برائے ادب کے حامیوں نے کس طرح ادب کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا، اور کس طرح منافی اخلاق امور کی وکالت کی، کتاب میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ بڑے بڑے مغربی ادیبوں نے دینی اقدار کی حمایت و اشاعت کی ہے، اس لئے یہ مفروضہ سراسر غلط ہے کہ دین و اخلاق سے وابستگی کے بعد ادب کی روح ختم ہو جاتی ہے۔

رابطۂ ادب اسلامی کے اس سیمنار کا موضوع: "حدیث نبوی شریف کی ادبی و فنی خصوصیات" ہے، اس حسن انتخاب پر میں رابطہ کے صدر عالی مقام اور ذمہ داروں کا بیحد شکر گذار ہوں، جامعہ سلفیہ اپنی بساط کے مطابق علم حدیث کی جو خدمت انجام دے رہا ہے، انشاء اللہ اس سیمنار کے انعقاد سے اس میں وسعت و ہمہ گیری پیدا ہوگی اور بحث و تحقیق کے نئے پہلو سامنے آئیں گے۔

علماء و محققین کے اس اجتماع میں ضرورت نہیں محسوس کرتا کہ حدیث کی تعریف میں کچھ کہوں، البتہ تیمناً چند جملے پیش کر رہا ہوں۔

ہندوستان میں علم حدیث کے ایک متبحر عالم، کتب حدیث کے ناشر اور ہم سب کے محسن

علامہ نواب سید صدیق حسن خاں حسنی بخاری اپنی معروف و مفید کتاب "الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ" میں حدیث کا ادیبانہ تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"علم حدیث علوم شرعیہ کی مفتاح" اسلامی شریعت کی بنیاد، فقہی روایات کی سند، دینی فنون کا ماخذ، عقائد کا ستون، عبادات کا آسمان اور معاملات کا مرکز ہے۔ اسی سے جوامع الکلم کی معرفت ہوتی ہے اور حکمت و دانائی کے سرچشمے پھوٹتے ہیں، شریعت کے جملہ اوامر و نواہی کا اسی پر دار و مدار ہے، اگر حدیث نہ ہوتی تو لوگ تاریکیوں میں بھٹکتے اور جو جی میں آتا کہتے، یہ اس رسولؐ کا کلام ہے جو مخلوقات میں سب سے افضل تھے، اس کا درجہ کلام الٰہی کے فوراً بعد ہے، قرآن کے علوم، اسلام کے عقائد اور شریعت کے احکام سب کے سب آپ کے بیان پر موقوف ہیں، یہ بیان سب کے لئے میزان و معیار ہے، تاریکی میں اس کی حیثیت بدر منیر کی ہے، اس کی پیروی میں ہدایت اور مخالفت میں گمراہی ہے، حدیث کی مزاولت سے انسان صحابہ کرام کا ہم نفس ہو جاتا ہے"۔ الخ (ملخص ترجمہ)

جاحظ نے "البیان" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جملے نقل کئے ہیں جنھیں آپ سے پہلے کسی عربی و عجمی نے ادا نہیں کیا، اور نہ کسی نے اپنے یا دوسرے کے لئے اس کا دعویٰ کیا، مثلاً "یا خلیل اللہ! إرکبی، مات حتف أنفہ، لا یتنطح فیہ عنزان۔ وغیرہ

پھر جاحظ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے کلام کا ذکر بطور نمونہ کیا ہے جس میں حروف کم اور معانی زیادہ ہیں، اور اس کے باوجود اس میں کسی طرح کے تکلّف کا کوئی شائبہ نہیں۔

آگے لکھا ہے کہ :۔

"آپ کا کلام سراپا حکمت ہے، اس میں کسی طرح کی غلطی نہیں، تائید الٰہی سے محکم اور توفیق ربّانی سے میسر ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے محبت و قبولیت، ہیبت و حلاوت، سہولتِ فہم اور اختصار سے نوازا ہے"۔ (البیان والتبیین ۲/۱۵)

شرعی لحاظ سے حدیث کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن کی علمی و عملی تفسیر اور اسلامی تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے، انسانی زندگی کے ہر مرحلہ کے لئے اس میں ہدایت ہے، اسی میں وہ دستور العمل ہے جس کی بنیاد پر انسان اپنی خانگی و اجتماعی زندگی، معاملات و تجارت، اپنوں اور غیروں کے ساتھ تعلقات بلکہ حیوانات و جمادات کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو سمجھ سکتا ہے،

اسی میں دین و دنیا کو برتنے اور جسم و روح کے مابین توازن پیدا کرنے کے ضوابط بتائے گئے ہیں۔
(کیف نتعامل مع السنۃ النبویۃ، از یوسف القرضاوی ص۲۳)

زبان و ادب پر حدیث نبویؐ کا اثر

انسانی کلام میں حدیث نبویؐ کا مقام سب سے برتر ہے، رُشد و ہدایت کے اس سرچشمہ سے جس طرح اذہان و قلوب کی تطہیر و تعمیر ہوئی اسی طرح زبان و بیان کی نزاکتیں اور تفہیم و تعبیر کا حال بھی واضح ہوا۔

مؤرخین ادب نے عربی زبان و ادب پر قرآن و حدیث کے اثرات کا ذکر کیا ہے، بلاغت و تاثیر میں حدیث کا درجہ قرآن سے کم ہے، لیکن زبان و ادب پر اس کے اثرات کسی بھی دوسرے انسانی کلام سے زیادہ ہیں، قرآن کے ذریعہ عربی زبان کے تحفظ اور اس کی اشاعت و بقا کا جو کارنامہ انجام پایا، اس میں حدیث نبویؐ کا بھی بہت زیادہ حصہ ہے، حدیث کے ذریعہ زبان کے الفاظ و تعبیرات میں وسعت پیدا ہوئی، ادباء و شعراء کو جولانی فکر کے لئے نئے میدان ملے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث کی تحقیق و تنقیح اور شرح و مطالعہ کے لئے بہت سے نئے علوم کی ایجاد ہوئی۔

(شوقی ضیف : العصر الاسلامی ص۴۰)

جدید دور میں خدمت حدیث

اللہ تعالیٰ نے خدمتِ حدیث کے شرف سے عرب و عجم دونوں کو مشرّف فرمایا، اس عموم سے شاید حدیث کی اہمیت و افادیت کا اظہار مقصود ہے، رحمۃ للعالمین کے کلام کی خدمت کسی مخصوص نسل یا عصر و علاقہ سے مربوط نہیں، جو بھی صدقِ نیت سے اس میدان میں قدم رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ کی توفیق حاصل ہو گی۔

ہندوستان کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اہلِ علم جانتے ہیں کہ خدمتِ حدیث میں برصغیر کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر دور میں رہا لیکن بعد کی صدیوں میں اس میں نمایاں اضافہ ہوا اور یہاں کے خادمانِ علوم نبوت کو عرب علماء نے خراج تحسین پیش کیا۔

موجودہ دور کی علمی ترقی کے بعد عرب دنیا نے علم حدیث پر زیادہ توجہ دی ہے، بلکہ قدیم

مخطوطات کی اشاعت، جدید موضوعات پر تصنیف اور کمپیوٹر کی مدد سے حدیث کی ترتیب و فہرست کے معاملہ میں وہ لوگ برصغیر سے آگے ہیں، وہاں حکومت کی سرپرستی اور دولت کی فراوانی سے بھی علمی منصوبوں کی تکمیل آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس سیمنار کے مقالات و تجاویز سے ہندوستان کے دینی اداروں اور حدیث پر کام کرنے والوں کو کچھ نئی جہتیں ملیں گی۔

تشکر و امتنان

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ جامعہ سلفیہ کا تعلق اس ادارہ کے آغاز ہی سے ہے، یہاں کے اجتماعات اور کانفرنسوں کی کامیابی میں دار العلوم کے اساتذہ اور فارغین کا حصہ ہمیشہ رہا ہے، رابطۂ ادب اسلامی نے اس تعلق کو مزید مستحکم و ہمہ گیر بنایا ہے۔ ادب کے میدان کی وسعت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس دائرہ کو وسیع کرکے اس کی افادیت میں اضافہ کیا جائے۔

رابطۂ ادب اسلامی کے ذمہ داران نے جامعہ سلفیہ کی دعوت پر بنارس میں اس سیمنار کے انعقاد کا فیصلہ فرماکر جامعہ کے ذمہ داران و متعلقین اور بنارس کے علم دوست و ادب نواز حلقہ پر کرم فرمایا ہے۔ میں اس نوازش کے لئے مجلس استقبالیہ اور جامعہ سلفیہ دونوں کی طرف سے رابطۂ ادب اسلامی کے صدر محترم اور دوسرے ذمہ داران کا بیحد شکر گذار ہوں کہ ان کی کرم فرمائی ہماری عزت افزائی کا سبب بنی، اسی طرح رابطہ کے معزز ممبران و دیگر مہمانانِ کرام کا بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے اس میں شرکت فرمائی، اور ہمیں اپنی نگارشات سے محظوظ ہونے کا موقع عنایت فرمایا، اللہ تعالیٰ ان تمام معززین و مخلصین کو اجر جزیل مرحمت فرمائے اور ان کی علمی خدمات سے انسانیت کو مستفید فرمائے۔

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مدیر 'البعث الاسلامی'
ترجمانی: مولانا محمد ابراہیم ندوی

مسنون دعاؤں میں ادب کی جلوہ گری

زندگی اور اس کے وسیع تر مفہوم، اور اس کے مختلف پہلوؤں نیز اس سے تعلق رکھنے والے تمام احوال وکوائف کو پسندیدہ کلام اور دلکش پیرایۂ بیان، دل نشیں اور موثر طرزِ ادا کے ساتھ منظرِ عام پر لانے کو اصطلاح کی زبان میں ادب کہتے ہیں۔ ادب دراصل ایک ادیب کی شخصیت کا مکمّل آئینہ ہوتا ہے، اور اس کے صحیح خدوخال اور فطری قدوقامت کی عکاسی کرتا ہے، اسی کے ساتھ اس کی پوری نفسیات اور ماحول جس میں وہ سانس لیتا ہے اور زمانہ جس میں وہ اپنی زندگی کے لمحات گذارتا ہے اپنے جملہ افکار وآمال اور احوال وعادات کے ساتھ جھلکتا نظر آتا ہے، اور چوں کہ زندگی کائنات اور انسان سے متعلق حقائق اور واقعات کے نمائندہ ادب کا یہی صحیح مفہوم ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو عالمی ادب کے درمیان ایک امتیازی مقام اور غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، بلکہ وہ ان گلہائے رنگارنگ میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے جسے نسل انسانی باہم یکے بعد دیگرے اخذ واستفادہ کے ذریعہ منتقل کرتی چلی آئی ہے، اس کے انتخاب اور اس کے شہ پاروں اور بیش بہا نمونوں سے خوشہ چینی کرنے میں مسابقت سے کام لیا ہے اور اس کے فنّی پہلوؤں اور زندگی سے لبریز اور سحر انگیز کلام سے محض لطف اندوز ہونے ہی میں نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے میں کوشش صرف کرنے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار قرار دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا اور ذکر پر مشتمل کلام، ادب کا ایک اہم اور عظیم الشان

باب ہے، کیوں کہ انسان جس وقت پوری یکسوئی کے ساتھ دعا اور ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور اپنے کریم پروردگار کی طرف بحضور قلب و دماغ ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ بغیر کسی تکلّف و تصنّع کے مناجات کرتا ہے اور اس کی زبان، دل بلکہ پورا سراپا صرف ایک نقطہ پر مرکوز ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ زندگی کے بند دریچے وا کرنا چاہتا ہے، تاریک گوشوں کو منور کرنا چاہتا ہے، شب تیرہ کی تیرگی سے نکل کر روز روشن کے اجالوں کا جویا ہوتا ہے، ان لمحات میں اس کی زبان پر جاری ہر کلمہ، اس کے دل کی ہر دھڑکن، فطری ادب کا انمول نمونہ ہوتی ہے جس سے کوئی بھی انسان اپنی زندگی میں بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اور آپ کی حیات طیبہ ہر ایسے مومن کے لیے جو اپنی زندگی کی عمارت ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار کی صحیح بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہو انتہائی عظیم، بیش بہا اور روح پرور سرمایۂ حیات ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم سے اس باعظمت امت کا ایک جز ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ ہے کہ اس پاک و ضیا پاش سیرت کے ہر پہلو کا گہرا مطالعہ کریں تاکہ زندگی کے تاریک افق میں روشنی کی کرنیں بکھیر سکیں۔

ان روشن پہلوؤں میں ایک نمایاں پہلو دعا کا بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ اور فکر و نظر پر ہر لمحہ مستولی تھا، اور کیوں نہ ہوتا! دعا تو خالص عبودیت اور سچی بندگی کا ایک اہم حصہ ہے اور معبود و مسجود حقیقی کی چوکھٹ پر اس کی صفت رحمت و رأفت پر اعتماد کرتے ہوئے صرف اس کی ذات سے تمام امیدوں کو اپنے سینے میں بسا کر۔ جو خاص اس کے مومن بندوں کی شان ہے۔ اپنے آپ کو اس کی چوکھٹ پر ڈال دینے کی علامت ہے، یہی وجہ ہے کہ دعا اُن عظیم اسباب میں شمار ہوتی ہے جس کو اختیار کرنا ہر آن اور ہر گھڑی ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جب پریشانیاں دوچند ہو چکی ہوں، حالات بحران کا شکار ہوں، آزمائشوں پر آزمائشوں کا سلسلہ جاری ہو اور مصائب کی آہنی زنجیریں دل و دماغ کو جکڑ رہی ہوں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ کی ہر حال و مقام سے متعلق دعاؤں کا ریکارڈ پوری امانت داری کے ساتھ محفوظ ہے خواہ اس کا تعلق سختی و بحران سے ہو یا خوشی و فراخی سے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آفت و ناگہانی حالات ہی میں نہیں، بلکہ ہر موقعہ پر

دعا کا سہارا لیتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں فروتنی اور عجز و انکساری کا مجسمہ ہوتے تھے، اسی وجہ سے آپ کی دعاؤں سے تعلق رکھنے والا ادب، ادبی دنیا کے اندر سب سے زیادہ طاقتور، اثر انگیز اور دل پذیر نیز حقیقت سے سب سے زیادہ قریب ہے، آپ کا ادب بندگی کے خدوخال اور عبودیت کے نقوش کی ایسی سچی اور دلکش منظر کشی اور ہمہ جہت عکاسی کرتا ہے کہ کسی فنکار آرٹسٹ کی چابک دستی اور کسی بھی قلم کار اور ادیب ماہر کے قلم کی روانی خواہ وہ اپنے فن میں کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو، اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

دعا کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ بندے کا اللہ سے تعلق مستحکم ہو جائے اور اس کو اس بات کا یقین راسخ ہو جائے کہ وہی ایک ذات ہر چیز کی خالق ہے اور وہی خیر و شر کو برپا کرنے والا ہے اور وہی سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے، اور وہی خوشحالی و شادمانی، فراخی و آسانی عطا کرتا ہے۔

دعا کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام حاجات و ضروریات کے ساتھ دست سوال صرف اللہ کے سامنے دراز کر دے، وہ جب اپنے تمام معاملات میں اللہ کی طرف رُخ کرتا ہے اور اس ذات کو ہر خیر کا مصدر اور ہر خوبی کا سرچشمہ سمجھتا ہے، اور جب ایک مسلمان اپنی مشکلات اور آزمائشوں میں ایک خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کو پختہ یقین ہوتا ہے کہ وہی پریشانیوں کے بادل چھانٹنے والا اور سختیوں کو دور کرنے والا اور آزمائشوں اور سخت گھڑیوں کو ختم کرنے والا ہے، اس وقت اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور اس کے دل کو سکون و اطمینان سے بھر دیتی ہے اور شادکامی و سعادت کے احساس سے وہ بے خود ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہے اور دست خداوندی اس کا شریک کار ہے اور رحمت و سکینت کا نزول ہو رہا ہے، اور ایک عرب شاعر کی زبان و بیان میں وہ یوں گویا ہوتا ہے:

فلیتک تحلو والحیاۃ مریرۃ ولیتک ترضی والأنام غضاب

ولیت الذی بینی وبینک عامر وبینی وبین العالمین خراب

اذا صح منک الود فالکل ھیّن وکل الذی فوق التراب تراب

"کاش کہ زندگی کی تلخیوں میں آپ شیریں ہوتے اور آپ کی رضامندی حاصل ہوتی جب کہ ساری مخلوق ناراض ہوتی۔

کاش کہ میرے اور آپ کے تعلقات آباد و استوار ہوتے جب کہ میرے اور سارے جہاں کے درمیان تعلقات ناہموار ہوتے۔

جب آپ کی سچی محبت حاصل ہو جائے تو سب کچھ آسان اور ہیچ ہے اور زمین کے اوپر جو کچھ بھی ہے وہ بے قیمت مٹی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں اور اذکار کے ذریعہ تمام مخلوق خداوندی میں سب سے زیادہ قریب اور گہرا تعلق رکھنے والے تھے بلکہ آپ کا سارا کلام ذکر اور ساری فکر، عبرتوں کا مجموعہ ہے، چنانچہ آپ صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم فرماتے تھے کہ وہ ہر عمل اور ہر طرح کی سرگرمیوں میں اور ہر موقعہ و محل اور ہر طرح کے حالات میں خدا کے ساتھ دائمی وجاودانی تعلق قائم رکھیں چنانچہ جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے آپ کی دعا میں ادب کا انداز یہ ہوتا:

"اللّٰھم انی اسلمت وجھی الیک وفوضت امری الیک وألجأت ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لاملجأ ولا منجی منک إلا الیک۔"

(صحیح مسلم، باب مایقول عند النوم واخذ المضجع)

"اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا، اپنے تمام معاملات تیرے سپرد کئے، تجھے اپنا سہارا بنایا، تجھی سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے اور تجھی سے ڈر کر، تیرے سوا نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ مقام نجات ہی ہے۔"

اور جب رات کے کسی حصہ میں آپ کی آنکھ کھلتی فرماتے:

"لا الٰہ الا انت سبحانک، اللّٰھم استغفرک لذنبی و اسألک رحمتک، اللّٰھم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد

اذ ھدیتنی، وھب لی من لدنک رحمۃ، انک انت الوھاب۔"

(رواہ ابوداؤد)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں پاک ذات تیری اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش کا طلبگار ہوں تیری رحمت کا سوالی ہوں، اے اللہ! مجھے علمی ترقیاں عطا فرما، اور ہدایت سے نوازنے کے بعد کج دلی سے بچالے اور اپنی خاص رحمتوں کے خزانے سے مجھے نواز دے، بے شک تو سراپا جود و عطا ہے اور بہت زیادہ بخشنے اور عطا کرنے والا ہے۔"

جب آپؐ سو کر اُٹھتے تو فرماتے:

"الحمد للہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا والیہ النشور۔"

(رواہ الشیخان)

"ساری حمد و ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور (آخر میں) اُٹھ کر اسی کے پاس جانا ہے۔"

اور سند صحیح سے آپ کا یہ فرمان منقول ہے:

"الدعاء مخ العبادۃ۔" (رواہ الترمذی)

"دعا عبادت کا لب لباب (روح) ہے۔"

نیز: "الدعاء سلاح المومن"۔

"دعا مومن کا ہتھیار ہے۔"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ وہ قریب ہے، جب بھی دعا کرنے والا اس سے دعا کرتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

"واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون۔"

(سورۃ البقرۃ الآیۃ ۱۸۶)

"جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (آپ انھیں بتلائیں) کہ میں قریب ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار پر لبیک کہتا ہوں لہذا انھیں بھی میری بات ماننی چاہیئے اور مجھ پر یقین کرنا چاہیئے تاکہ راہ راست پر آجائیں۔"

قرآن کریم ہی میں ایک دوسرے مقام پر دعا کا حکم دیتے ہوئے اور اس کو شرف قبولیت سے نوازنے کا وعدہ کرتے ہوئے اور ساتھ ہی اس کی عبادت سے (بوجہ تکبّر و رفع) روگردانی کرنے والوں کو ذلّت و خواری کے ساتھ دوزخ کا کندہ بننے کی دھمکی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین۔"

(سورۃ غافر الآیۃ ۶۰)

"اور تمھارے پروردگار نے فرمایا مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول کروں گا بلاشبہ وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبّر کرتے ہوئے انحراف کرتے ہیں وہ جلد ہی ذلّت و خواری کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔"

دعا درحقیقت عین عبادت ہے جیسا کہ نعمان بن بشیرؓ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الدعاء ھو العبادۃ" (دعا عین عبادت ہے)

اسی وجہ سے دعا سے اعراض دخول جہنم کا سبب ہوگا اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین۔" (سورۃ الاعراف الآیۃ ۵۵)

"اپنے رب کو عاجزی و گریہ زاری کے ساتھ اور چپکے چپکے (تنہائیوں اور رات کی تاریکیوں میں) پکارا کرو وہ سرکشوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔"

ایک دوسری آیت میں ارشاد گرامی ہے کہ کوئی مجبور جب بھی اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا پر لبیک کہتا ہے :

" أمّن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء "

(سورۃ النحل الآیۃ ۶۲)

" یا وہ جو مجبور کی ہر دعا پر لبیک کہتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے "

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر اپنی دعاؤں میں دنیا و آخرت کی بھلائی اور دوزخ سے حفاظت کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے :

" اللّٰھم آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار " (رواہ الشیخان)

" اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی (ہر طرح کی) عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز اور آگ کے عذاب سے بچا لے "

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے :

" اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف والغنیٰ " (رواہ مسلم)

" اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت و تقویٰ اور پاک دامنی و بے نیازی کی درخواست کرتا ہوں "

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اللّٰھم یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتک " (رواہ مسلم)

" اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو پھیر کر اپنی اطاعت و فرماں برداری میں لگا دے "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے :

"اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری و اصلح لی دنیای التی فیھا معاشی و اصلح لی آخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیاۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر"

"اے اللہ! میرا دین بہتر بنا دے جو میرے معاملات کا محافظ ہے اور میری دنیا بہتر بنا دے جس میں مجھے جینا ہے اور میری آخرت سنوار دے جہاں مجھے واپس جانا ہے اور زندگی کو میرے لیے ہر خوبی و بھلائی میں زیادتی کا سبب بنا دے اور موت کو ہر شر سے راحت کا ذریعہ بنا دے"

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا :

" اقرب ما یکون الرب من العبد فی جوف اللیل الآخر فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعۃ فکن" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

"اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے تیسرے پہر ہوتا ہے اگر تم ان لوگوں میں سے بن سکو جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں تو ایسا کر لو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور اپنے پروردگار سے کئی کئی گھنٹے مناجات و ہم کلامی میں مصروف رہا کرتے تھے ۔۔۔ کتب حدیث کی مختلف روایتوں میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے ذریعہ آپ درمیان شب اپنے رب سے التجا و فریاد کیا کرتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب درمیان شب نماز کے لیے بیدار ہوتے تو فرماتے :

" اللھم لک الحمد انت نور السمٰوات والارض و من فیھن، ولک الحمد انت قیام السمٰوات والارض و من

فیھن، ولک الحمد انت نور السمٰوات والارض ومن فیھن، ولک الحمد انت الحق ووعدک الحق وقولک الحق، ولقاؤک حق، والنار حق، والنبیون حق، ومحمد حق، والساعۃ حق، اللّٰھم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت، فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الٰھی لا الٰہ الا انت۔" (متفق علیہ)

"اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور اس کی ساری مخلوقات کا نور ہے اور حمد وثنا تیرے ہی لئے ہے، آسمانوں اور زمین اور اس میں تمام موجودات تیری ہی ذات سے قائم ہیں اور حمد وثنا تیرے ہی لئے ہے تو آسمانوں اور زمین اور اس میں تمام موجودات کا نور ہے اور ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا کلام حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، دوزخ حق ہے، انبیاء حق ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں، قیامت حق ہے دا ے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا اور تجھی پر ایمان لایا اور تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف یکسو ہو کر متوجہ ہوا، تیرے سہارے میں نے باطل کی مخالفت کی اور معاملہ تیری عدالت میں پیش کیا، لہذا میرے اگلے پچھلے، ظاہر و مخفی سارے گناہ معاف فرمادے، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

"قمت مع رسول اللہ صلی اللہ لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لا یمر بآیۃ رحمۃ الا وقف وسأل ولا یمر بآیۃ عذاب الا وقف وتعوذ، قال: ثم رکع بقدر قیامہ یقول فی رکوعہ، سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء

والعظمة ثم قال فی سجودہ مثل ذالك۔

"میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپؐ نے قیام فرمایا اور سورۂ بقرہ اس طرح تلاوت فرمائی کہ ہر آیت رحمت پر ٹھہر جاتے اور دعا کرتے اور ہر آیت عذاب پر وقف فرما کر پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے یہ دُعا پڑھتے ہوئے بقدر قیام رکوع فرمایا: پاک ذات ہے وہ جس کو مکمل طاقت و تسلّط، پوری بادشاہت اور ہر طرح کی بڑائی اور عظمت حاصل ہے، پھر سجدے میں بھی اسی طرح فرمایا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

"فقدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلة من الفراش فالتمسته فوقعت یدی علیٰ بطن قدمیه وهوفی المسجد وهما منصوبتان وهویقول: اللّٰهم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصی ثناءا علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔" (متفق علیہ)

"میں نے ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا تو میں نے آپ کو تلاش کیا، آخر میرا ہاتھ آپ کے قدمین کے درمیان پڑ گیا آپ حالتِ سجدہ میں تھے اور دونوں پیر (انگلیوں پر) ایستادہ تھے اور آپ یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تیری خوشی کے ذریعہ تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیرے عفو و درگزر کے ذریعہ تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور تیرے ذریعہ تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تیری تعریفات کا احاطہ نہیں کر سکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی تعریفات بیان کی ہیں۔

اور انھیں سے یہ بھی مروی ہے فرماتی ہیں:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوفی الصلوٰة فیقول: اللّٰهم انی اعوذ بك من عذاب القبر، واعوذ بك

من فتنة المسيح الدجال، واعوذ بك من فتنة المحيا والممات، اللّٰهم انی اعوذ بك من المأثم والمغرم، فقال له قائل: ما اكثر ما تستعيذ من المغرم، فقال: وان الرجل اذا غرم حدث فكذب ووعد فأخلف"۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا کرتے تھے تو فرماتے تھے، اے اللہ! میں تیرے ذریعہ قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تیرے ذریعہ مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں اور میں تیرے ذریعہ موت وزیست کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں تیرے ذریعہ گناہ اور تاوان سے پناہ چاہتا ہوں۔ ایک شخص نے عرض کیا آپ تاوان سے کس قدر پناہ چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جب کسی شخص پر تاوان واجب ہوتا ہے اپنی گفتگو میں جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں یہ دعا بھی شامل تھی جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

"لا اله الا الله العظيم الحليم لا اله الا الله رب العرش العظيم، لا اله الا الله رب السموات ورب العرش الكريم"۔

(رواہ مسلم)

"خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مالک عرش عظیم اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مالک سماوات وصاحب عرش کریم اللہ کے بجز کوئی لائق پرستش نہیں"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم ترین مسئلہ درپیش ہوتا تو فرماتے:

"یا حی یا قیوم برحمتك استغیث"۔

"اے ازلی ابدی زندگی وسرپرستی والے تیری رحمت کی دہائی دیتا ہوں"۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے

فرمایا: کسی بھی بندے کو کوئی فکر یا رنج لاحق ہوتا ہے پھر وہ دعا کرتے ہوئے عرض کرتا ہے:

"اللّٰھم انی عبدك وابن عبدك وابن أمتك ناصیتی بیدك، ماضٍ فیّ حکمك، عدل فی قضاؤك أسئلك بکل اسم ھو لك سمیت بہ نفسك أو أنزلتہ فی کتابك او علمتہ احدا من خلقك او استأثرت بہ فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن ربیع قلبی و نور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی الا اذھب اللہ ھمہ وحزنہ وابدلہ مکانہ فرجا۔"

(اخرجہ احمد فی مسندہ وابن حبان فی صحیحہ)

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے سلسلے میں تیرا حکم جاری وساری ہے، میرے متعلق تیرا فیصلہ منصفانہ ہے میں تجھ سے ہر اس نام کے واسطہ سے جو تیرے لیے مخصوص ہے جس سے اپنے آپ کو موسوم کیا یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا یا علم غیب میں اپنے لئے محفوظ رکھا درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کا نگہبان، میرے سینے کا نور بنا دے اور میرے رنج کے دفعیہ اور فکر کے خاتمہ کا سبب بنا دے، تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی فکر و رنج کو دور فرما کر سرور و کشائش سے بدل دیتے ہیں۔"

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دشمن یا صاحب اقتدار سے خطرہ درپیش ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے آپ دعا فرماتے اور مدد و نصرت کے طلبگار ہوتے اور اس کے شر سے خدا کی پناہ چاہتے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو فرماتے:

"اللّٰھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذبك من شرورھم۔"

(اخرجہ ابوداؤد والنسائی)

"اے اللہ! ہم تجھ کو (تیرے خوف و ہیبت کو) ان کے سینوں میں

ڈالتے ہیں اور ان کے شر و رسے تیری پناہ چاہتے ہیں۔"

اور دشمن سے مقابلہ کے وقت فرماتے:

" اللّٰھم انت عضدی و انت نصیری بک اجول وبک اصول وبک اقاتل۔"

"اے اللہ! تو ہی میرا سہارا ہے تو ہی میرا مددگار ہے تیرے ہی سہارے میری جولانیاں اور حملے ہیں اور تیرے ہی بل پر میری جنگ ہے۔"

اور ایسے موقعوں پر جب کسی کو شیطانی خطرات درپیش ہوں وہ دعا پڑھنی چاہیئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ فرماتے تھے:

" اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من ھمزۃ نفثہ ونفخہ، لقول اللہ عزوجل: وإمّا ینزغنک من من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم۔"

"(ہر چھوٹی بڑی چیز کو) سننے اور جاننے والے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود اور اس کے منتر اور پھونک کے اثرات سے۔ کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: اور شیطان کی طرف سے کوئی کچوکا (اثر) تم کو محسوس ہو تو اللہ کی پناہ طلب کرو، بے شک وہی سننے جاننے والا ہے۔"

اور جب بندے پر خدا کی کوئی نوازش ہو اس کو کہنا چاہیئے:

" ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔"

"جو اللہ چاہے (ہوتا ہے) سرشتہ قوت صرف اللہ کی ذات ہے۔"

حضرت انس بن مالکؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" ما انعم اللہ نعمۃ علی عبد فی اھل ومال وولد فقال: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ فیری فیھا آفۃ دون الموت۔"

"جب بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی انعام فرماتا ہے اور وہ ماشاء اللہ لاقوۃ الاباللہ کہتا ہے تو موت کے علاوہ اسپر کوئی آفت نہیں دیکھے گا۔"

"وعنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا رائی مایسرہ قال الحمد للہ الذی بہٖ تتم الصالحات و اذا رائی مایسوؤہ قال الحمد للہ علیٰ کل حال۔"

"اور انھیںؓ سے آپؐ کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ کوئی خوش کن چیز دیکھتے تو فرماتے ساری تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں جس کے ذریعہ نیکیاں درجہ کمال تک پہونچتی ہیں اور کوئی تکلیف دہ چیز نظر آتی تو فرماتے ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض دار کو قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں دُعا تعلیم فرمائی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ان مکاتبا جاءہ فقال لہ انی عجزت عن کتابتی فاعنی، قال: الا أعلمك کلمات علمنیھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکان علیك مثل جبل دَیناً اداہ اللہ تعالیٰ عنك۔ قل اللّٰھم اکفنی بحلالك عن حرامك وأغننی بفضلك عمن سواك۔"

(رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث حسن)

"ایک مکاتب غلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں اپنی آزادی کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوں میری مدد فرمائیے۔ آپؓ نے فرمایا کیا میں تمھیں ایسے کلمات (دعا) نہ سکھلادوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھلائے ہیں۔ اگر پہاڑ کے برابر بھی تم پر قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ تمھاری طرف سے ادا فرمائے گا، یہ دعا پڑھ لیا کرو: اے اللہ! حرام سے دور رکھ کر مال حلال کے ذریعہ میری ضروریات پوری فرما، اور اپنے فضل وکرم سے مالا مال فرماکر حرام سے اور اپنے سوا دوسروں سے مجھے بے نیاز فرما۔"

اور جب آندھی چلتی تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت فرمایا:

" اللّٰھم انی اسئلک خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت بہ واعوذ بک من شرھا وشر ما فیھا وشر ما ارسلت بہ"

(رواہ مسلم)

" اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو اس کے اندر ہے اس کی بھلائی اور جن چیزوں کے ساتھ اس کو چلایا ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کے شر اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے شر سے اور جن چیزوں کے ساتھ اس کو چلایا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں"

اور جب بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سنتے تو فرماتے:

" اللّٰھم لا تقتلنا بغضبک ولا تھلکنا بعذابک وعافنا قبل ذالک" (اخرجہ الترمذی عن عبداللہ بن عمر)

" اے اللہ! مجھے اپنے غضب کا شکار مت بنائیو اور نہ اپنے عذاب کے ذریعہ ہلاک کیجیو اور اس سے پہلے پہلے عفو و عافیت سے نوازیو"

جب آپؐ پہلی تاریخ کا چاند دیکھتے تو فرماتے:

" اللہ اکبر اللّٰھم اھلّہ علینا بالأمن والایمان والسلامۃ والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی، ربنا وربک اللہ"

(اخرجہ الدارمی عن عبداللہ بن عمرؓ)

" اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! اسے ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ سلامتی اور اسلام اور ان اعمال کی توفیق کے ساتھ طلوع فرما، جو آپ کو پسند ہیں اور جن سے آپ خوش ہوتے ہیں۔ ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے"

اور جب افطار فرماتے کہتے:

" اللّٰھم لک صمنا وعلیٰ رزقک افطرنا فتقبل منا انک انت

السمیع العلیم۔" (رواہ ابن عباسؓ)

"اے اللہ! ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا، لہٰذا ہمارے روزے قبول فرمالے، بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے اور اپنے اونٹ پر اطمینان سے بیٹھ جاتے، تین مرتبہ اللہ اکبر فرماتے اور یہ دعا کرتے:

"سبحان الذی سخر لنا ھٰذا وما کنا لہ مقرنین، وانا الیٰ ربنا لمنقلبون، اللّٰھم انا نسئلک من سفرنا ھٰذا البر والتقویٰ ومن العمل ما ترضیٰ۔ اللّٰھم ھون علینا سفرنا ھذا واطو عنا بعدہ انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر وسوء المنقلب فی المال والأھل واذا رجع من السفر قالھن وزاد فیھن (آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون)۔" (رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمرؓ)

"پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کیا اور قابل استفادہ بنایا جب کہ ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے تھے اور ہم سب کو اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور اے اللہ! ہم اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ اور تیرے پسندیدہ عمل کے خواستگار ہیں۔ اے اللہ! یہ سفر ہمارے لئے آسان فرما اور اس کی دوری کو سمیٹ دے تو ہی سفر کا ساتھی اور گھر کا جانشین ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی دشواری، پریشان کن منظر اور مال اور اہل وعیال کے سلسلے میں برے انجام سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب سفر سے واپس ہوتے یہی دعا فرماتے نیز اتنا اضافہ فرماتے: ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں، اسی کی عبادت اور حمد بیان کرتے ہیں۔"

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بھی کسی ایسی بستی پر نظر پڑتی جس میں آپ جانا چاہتے آپؐ نے یہ دعا فرمائی:

"اللّٰھم رب السمٰوات السبع وما اظللن ورب الارضین و ما اقللن ورب الشیاطین وما أضللن ورب الریاح وما ذرین، اسألك خیر ھٰذہ القریۃ وخیر أھلھا وخیر ما فیھا واعوذ بك من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا" (رواہ النسائی وغیرہ)

"اے ساتوں آسمانوں اور جس پر ان کا سایہ ہے کے پروردگار اور زمینوں اور جو ان کی پشت پر ہیں کے پروردگار اور شیطانوں اور ان کے گمراہ کردہ لوگوں کے پروردگار اور ہواؤں اور جس کو انھوں نے اڑایا کے پروردگار میں تجھ سے اس بستی کی خوبی اور اس میں رہنے والوں کی خوبی اور جو کچھ بھی اس میں ہے اس کی خوبی کا خواستگار ہوں اور میں اس کے شر سے وہاں کے باشندوں کے شر سے اور اس میں موجود تمام چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر فرماتے اور رات ہو جاتی تو فرماتے:

"یا أرض ربی وربك اللہ۔ اعوذ باللہ من شرك وشر ما فیك وشر ما خلق فیك وشر ما یدب علیك، اعوذ باللہ من أسد وأسود ومن الحیۃ والعقرب ومن ساکن البلد ومن والد وما ولد" (اخرجہ داؤد عن عبداللہ بن عمرؓ)

"اے سرزمین! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے، میں تیرے شر سے تیرے اندر موجود چیزوں کے شر سے تیرے اندر کی مخلوقات کے شر سے تیری پشت پر رینگنے والی ہر شے کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور میں شیر، ناگ، سانپ اور بچھو سے، شہر کے باشندوں اور ہر جننے والے اور جنے ہوئے سے تیری پناہ چاہتا ہوں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا اپنے سے قریب فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

"بسم اللہ" — "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں"۔

اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو فرماتے:

"اللّٰھم اطعمت واسقیت واغنیت واقنیت وھدیت واحییت فلک الحمد علیٰ ما اعطیت"

"اے اللہ تو نے کھلایا، تو نے پلایا، تو نے بے نیاز کیا، تو نے مطمئن اور خوش کیا، تو نے ہدایت دی، تو نے زندگی عطا کی۔ لہٰذا جس چیز سے بھی نوازا تو ہی لائق حمد و شکر ہے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے:

"الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا و جعلنا من المسلمین"

(رواہ ابوداود والترمذی)

"ساری تعریفیں اس خدا کی جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دعوت میں تشریف لے جاتے تو کھانا تناول فرمانے کے بعد مہمان نواز کے حق میں خدا سے دعا کرتے اور برکت و قبولیت طلب فرماتے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں روٹی اور تیل پیش کیا، آپ نے تناول فرمایا اور یہ دعا کی:

"أفطر عندکم الصائمون و اکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ" (رواہ ابوداؤد)

"تمھارے یہاں روزے دار افطار کریں، نیک لوگ تمھارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمھارے حق میں دعا کریں۔"

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماہی اور چھینک کے بارے میں فرمایا:

"ان اللہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب وقال: اذا عطس احدکم وحمد اللہ کان حقا علی کل مسلم سمعہ ان یقول:

یرحمك اللہ، واما التثاؤب فإنما ھو من الشیطان ، فإذا تثاءب احدکم فلیردہ ما استطاع فإن احدکم اذا تثاءب ضحك منہ الشیطان ۔" (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ)

"بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جماہی کو ناپسند اور فرمایا تم میں سے کسی کو جب چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو ہر اس مسلمان پر جو سُنے ضروری ہوجاتا ہے کہ یرحمك اللہ کہے اور جماہی اصلاً شیطانی فعل ہے اس لئے جب کسی کو جماہی آئے حتی الامکان اس کو روکے کیونکہ جب کسی کو جماہی آتی ہے اس پر شیطان ہنستا ہے۔"

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار تشریف لے جاتے تو فرماتے :

"بسم اللہ اللّٰھم انی أسئلك من خیر ھٰذہ السوق و خیر ما فیھا واعوذ بك من شرھا وشر ما فیھا۔ اللھم انی اعوذ بك ان اصیب فیھا یمینا فاجرۃ او صفقۃ خاسرۃ ۔

(اخرجہ الترمذی)

"اللہ کے نام کے ساتھ (بازار میں داخل ہوتا ہوں) اے اللہ! میں اس بازار کی اور اس میں موجود اشیاء کی بہتری طلب کرتا ہوں اور اس کے اور اس میں موجود اشیاء کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! میں جھوٹی قسم اور نقصان دہ سودے سے دوچار ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

اسی طرح جب آپ آئینہ میں اپنا رُخِ انور مشاہدہ فرماتے تو دعا کرتے :

" الحمد للہ الذی سویٰ خلقی فعدلہ وکرم صورۃ وجھی فحسنھا وجعلنی من المسلمین ۔" (رواہ انسؓ)

"ساری تعریفیں اس اللہ کی جس نے مجھے ٹھیک، درست — اور متناسب الاعضاء بنایا اور میری شکل وصورت قابلِ احترام اور خوبصورت بنائی اور مجھے مسلمانوں کے زمرے میں شامل کیا۔"

اور آپ کی جامع دعاؤں میں وہ دعا بھی شمار ہوتی ہے جسے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اللّٰھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علیٰ کل شی قدیر" (متفق علیہ)

"اے اللہ! میری خطا میری نادانی معاملات میں میرا اسراف اور وہ تمام چیزیں جس سے آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں بخش دیجئے آپ ہی اول آپ ہی آخر ہیں اور آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔"

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

"اللّٰھم انی اعوذ بک من العجز والکسل والبخل والھرم وعذاب القبر، اللّٰھم اٰت نفسی تقواھا وزکّھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولٰھا، اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لاینفع ومن قلب لایخشع ومن نفس لاتشبع ومن دعوۃ لایستجاب لھا"

"اے اللہ! میں بے بسی، سستی، بخل، پیری اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے قلب کا تقویٰ نصیب فرما اور اس کا تزکیہ فرما تو ہی بہترین تزکیہ نفس کرنے والا ہے تو ہی اس کا کارساز و مالک ہے، اے اللہ میں علم غیر نافع اور رقت و زاری سے خالی دل اور نفس ناآسودہ اور دعاء غیر مقبول سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برے اور متعدی امراض و اعذار سے بھی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے، حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا کیا کرتے تھے:

"اللّٰھم انی اعوذ بک من البرص والجنون والجذام وسیئ الاسقام"۔

"اے اللہ! میں تجھ سے برص، دیوانگی اور جذام اور تمام بُری بیماریوں سے پناہ چاہتا ہوں"۔

اسی طرح آپ بھوک اور خیانت سے بھی پناہ مانگتے تھے، چنانچہ آپؐ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق فرماتے تھے:

"اللّٰھم انی اعوذ بک من الجوع فانہ بئس الضجیع واعوذ بک من الخیانۃ فانہا بئست البطانۃ"۔

"اے اللہ! میں تیرے ذریعہ بھوک سے پناہ چاہتا ہوں کہ وہ بدترین ہم بستر ہے اور خیانت سے پناہ چاہتا ہوں کہ وہ بدترین ہم راز ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اللّٰھم انی اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والسلامۃ من کل اثم والغنیمۃ من کل برّ والفوز بالجنۃ والنجاۃ من النار"۔

(رواہ الحاکم وقال حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم)

"اے اللہ! میں تجھ سے ان چیزوں کی درخواست کرتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی اور تیری مغفرت کو یقینی بنانے والی ہیں اور ہر گناہ سے سلامتی اور بغیر لاگت کے ہر نیکی اور جنّت سے سرفرازی اور دوزخ سے خلاصی کی درخواست کرتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں وارد دعاؤں کا پابندی سے التزام فرمایا کرتے تھے۔ اپنے پروردگار سے بکثرت دعا فرماتے اور آپ کے قلب میں رقّت پیدا ہو جاتی اور اس کی پوری مداومت فرماتے اس لیے کہ اللہ کے صحیح معنی اور حقیقی مفہوم میں لرزاں و ترساں بندے تھے۔ آپ نے جتنی دعائیں خود کی ہیں یا لوگوں کو

تلقین فرمائیں اس میں شان بندگی وعبودیت انتہائی موثر انداز اور بھرپور معانی کے ساتھ جھلکتی ہے۔ ذرا دیکھئے طائف میں جب کہ لوگوں نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور انتہائی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ انداز سے آپ کے ساتھ پیش آرہے ہیں، آپ اپنے پروردگار کے روبرو کس طرح فریاد کر رہے ہیں:

"اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس۔ یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین انت ربی الیٰ من تکلنی، الیٰ بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکته امری، ان لم یکن بک علیّ غضب فلا أبالی، غیران عافیتک أوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والآخرة من أن ینزل بی غضبک اور یحل علیّ سخطک، لک العتبیٰ حتیٰ ترضی، ولاحول ولا قوة إلا بک۔

"اے اللہ! میں صرف تجھ سے اپنی ناتوانی، بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کے سامنے اپنی ذلت بیان کر رہا ہوں۔ یا ارحم الراحمین تو کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے ایک اجنبی کے جو ترش روئی کا معاملہ کر رہا ہے یا کسی دشمن کے جسے مجھ پر قابو دے رکھا ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں البتہ تیری عافیت میرے حق میں سبب کشائش ہے۔ تجھ سے تیرے نور کے واسطے سے جس سے تاریکیاں روشنی میں بدل گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیری ناراضگی مجھ پر اُترے یا تیرے غصہ کا شکار بنوں۔ تیری خوشی و رضامندی مطلوب ہے یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے تجھے چھوڑ کر نہ کوئی تدبیر ہے نہ طاقت۔"

اور میدان عرفات میں آپ کی دعا یوں تھی:

"اللّٰھم انک تسمع کلامی وتری مکانی وتعرف سرّی و

علانیتی لا یخفی علیک شیئ من امری، وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنبہ اسالک مسألۃ المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل، وادعوک دعاء الخائف الضریر، دعاء من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عبرتہ وذل لک جسمہ، ورغم لک انفہ، اللّٰھم لاتجعلنی بدعائک شقیا وکن لی رؤوفا رحیما یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین "

" اے اللہ! تو میری باتیں سُن رہا ہے، میری جائے وقوف تیری نگاہوں میں ہے، میرے ہر باطن سے تو واقف ہے، میری کوئی چیز تجھ سے اوجھل نہیں، میں سراپا احتیاج و بے مایہ مدد کا طلبگار پناہ کا سوالی ڈرا سہما اپنے گناہ کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔ میں تجھ سے بیکسوں اور شکستہ لوگوں کی طرح درخواست کرتا ہوں، میں تیرے حضور گنہگار رسوا کی طرح گریہ وزاری کرتا ہوں اور میں تجھ سے ڈرے لُٹے، نقصان زدہ شخص کی طرح دُعا کرتا ہوں، اس شخص کی دعا جس کی گردن تیرے سامنے جُھکی ہوئی ہو اور جس کے آنسو زار و قطار تیرے خوف سے بہہ رہے ہوں اور جس کا سر و قد تیرے سامنے رُسوا ہو اور جس کی ناک تیرے لیے خاک میں مل چکی ہو، اے اللہ مجھے اپنی دعا میں مطلوب سے محروم مت کیجیو۔ اے بہترین ذات جس سے درخواست کی جائے اور سب سے بہترین نوازنے والے میرے حق میں رؤوف رحیم ہو جائیے "

یہ ذکر و دعا سے متعلق ادب کا ایک سرسری جائزہ ہے نہ کہ استیعاب، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف لمحات میں نمایاں ہے اور جس کا آپ نے بڑا اہتمام فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو خدا کا ایک بندہ اور لوگوں کا معلّم سمجھتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی طرف مبعوث فرمایا تھا، لہٰذا آپؐ نے ایک ایک گھڑی کا اہتمام فرمایا اور تاکید فرمائی کہ ایک مسلمان سب سے پہلے خدا کا ایک بندہ ہے،

لہٰذا اپنے پروردگار کے سامنے اپنی عبودیت کو کسی حال میں نہ بھولے، اور ہمیشہ، ہر آن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول و رطب اللسان رہے، شب و روز، صبح و شام خوشی اور غمی، آزمائش و کشائش، گھر، مسجد، کاموں، ملازمتوں، اہل و عیال، دوستوں و ہم نشینوں، زندگی کے اندرون و بیرون، صحت و مرض، سفر و حضر، گویا کہ زندگی کے تمام لمحات میں یہ معمول بنالے، آپ نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق کا راستہ ہموار کر دیا جس میں انسان اپنے تمام رازہائے سربستہ اس کے سامنے واشگاف کر دیتا ہے، اور اپنے پروردگار کے حضور پیش ہو کر وہ اپنی تمام آرزوؤں، تمناؤں، رنج و الم اور خوابوں کی تعبیر طلب کرتا ہے، کبھی سرگوشی میں، کبھی گریہ و زاری کے انداز میں، کبھی ظاہر و باطن کے تواضع و تذلل کے ساتھ، کبھی عاجزی و فروتنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اور وہ اس طرح اپنی بندگی و عبودیت، تواضع و انکساری اور اس کے حکم اور فیصلے کے آگے سپر اندازی کا اعلان کرتا ہے۔

کیا ہی خوب و مناسب ہوگا اس وقت جب کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعاؤں میں ادب کے موضوع پر اس مقالہ کی آخری کڑی تک پہنچ چکے ہیں کہ ہم اپنی گفتگو سب سے بہترین دعا پر ختم کریں جو بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تلاوت قرآن کا اہتمام کرنے والے ہر مسلمان کا معمول رہی ہے۔ لہٰذا بارگاہِ ایزدی میں ہم کلام الٰہی میں وارد اس دعا کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں:

"ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب"

اور ہم خدا سے دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

"ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا۔ ربنا انک رؤوف رحیم"

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی
دار المصنفین اعظم گڑھ

رسول اکرمؐ کی فصاحت و بلاغت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغام و ہدایت دے کر دنیا میں بھیجا تھا آپؐ نے عرب و عجم، اسود و احمر اور آبی و خاکی سب کو خدا کا یہ پیغام واضح اور دو ٹوک انداز میں پہنچا دیا الاھل بلّغت اللّٰھم اشھد فلیبلغ الشاھد الغائب۔

آپؐ کا پیغام حق و صداقت پر مبنی تھا، سچائی میں خود یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے اپنا لوہا منوا لیتی ہے، اسی لئے آپؐ کے شدید مخالفین کو بھی حق و صداقت کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا، لیکن اس کا بھی لحاظ اور بڑا اثر ہوتا ہے کہ سچائی کس طرح پیش کی گئی ہے، سچی بات بھی اگر بد نما طریقہ پر کہی جائے تو اس کی جانب سے طبیعتوں میں انقباض اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلند مضمون اور برتر خیال اگر دلکش اسلوب اور موثر پیرائیہ بیان میں ادا نہ کیا جائے تو وہ بے کیف اور لذت و اثر سے خالی رہتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان و بیان پر مکمل قدرت تھی اور آپ اپنے مافی الضمیر کو خوبصورت الفاظ میں عمدہ طریقے پر پیش کرتے تھے، آپ کی پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی تھی جو اپنی زبان کی صحت و فصاحت کے لئے مشہور تھا اور آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ اور بنو عبد مناف کے گھرانے سے تھا جو زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں یکتا تھے۔

عرب کے قبائل کے لغات مختلف تھے، ان کے اسالیب اور لہجے جدا تھے لیکن خدا نے پیغمبر آخر الزماںؐ کو تمام لغات اور لہجوں سے واقف کر دیا تھا چنانچہ آپ ہر ہر قبیلہ سے اس کے مخصوص لب و لہجہ میں منفرد انداز میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ فصاحت اور الفاظ

کے صحیح انتخاب اور عبارت کی وضاحت میں سب پر فائق رہتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ پر قرآن مجید نازل ہوا تھا جس سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس کی زبان و اسلوب و طرز ادا کا اثر بھی قدرتاً آپؐ کے کلام پر پڑا۔

ان واضح اسباب کے علاوہ فصاحت، بلاغت اور زبان دانی کا ملکہ آپ میں فطری اور خداداد تھا چنانچہ آپؐ نے فرمایا:۔

ادّبنی ربی فاحسن تادیبی[1]۔ میرے رب نے مجھے اچھی طرح سکھایا۔

آپؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ انا افصح العرب (میں فصیح ترین عرب ہوں) آپؐ کو خدا نے جوامع الکلم عطا کیا تھا۔

بعثت بجوامع الکلم[2]۔ میں جامع کلمات دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اس لئے آپؐ کی فصاحت و بلاغت میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں، فصیح کلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ سادہ سلیس اور سہل الفہم ہوتا ہے، سننے والے کو اس کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی، الفاظ نہ ثقیل اور نامانوس ہوتے ہیں اور نہ بولنے اور سننے میں ناگوار معلوم ہوتے ہیں، عبارت اور ترکیب میں اغلاق، تعقید اور پیچیدگی نہیں ہوتی۔

بلیغ کلام کا رتبہ اس سے بھی سوا ہوتا ہے، وہ فصیح کلام کی خوبیوں کا متضمن ہونے کے علاوہ مقصود و مدعا کے لحاظ سے بالکل عیاں اور مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے، اس میں کہیں سے نہ جھول ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی گوشہ مخفی و مستور ہوتا ہے کہ یہ کہا جا سکے کہ "المعنی فی بطن الشاعر" اگر کسی کلام میں دور از کار تخیلات اور غیر ضروری محذوفات ہوں تو وہ تاثیر اور دل نشینی سے خالی ہوگا اور سننے والا اس سے اچھی طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا، نپا تُلا کلام ہی بلیغ و فصیح ہوتا ہے۔

اس حیثیت سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام فصاحت و بلاغت کا درخشاں نمونہ اور ادبی حلاوت و چاشنی سے معمور ہے، آپؐ کی زبان مبارک سے جو لفظ اور جو فقرہ بھی ادا ہوتا تھا وہ ادب و انشاء کی لطافت، رعنائی بیان، حسن تعبیر کا ضامن اور

---

[1] ابن السمعانی فی ادب الاملاء عن ابن مسعود بحوالہ الجامع الصغیر للسیوطی۔ سیوطی نے اسے صحیح حدیث کہا ہے۔ [2] صحیح بخاری کتاب التعبیر۔

بلاغت کی جان ہوتا تھا۔ اس کی تاثیر و دل نشینی اور دل کشی و دلآویزی حد بیان سے باہر ہے، آپؐ کے مکتوبات، خطبے، احادیثِ مبارکہ، ارشادات یہاں تک کہ آپؐ کی روزمرہ گفتگو حشو و زوائد اور تکلف و تصنع سے پاک اور ماقلّ و دل ہوتی تھی، روانی، سلاست، سادگی، شگفتگی اور برجستگی اس کا طرۂ امتیاز ہوتی تھی غرض ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگری
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ :۔

"زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت میں آپؐ کا درجہ بہت بلند تھا، اس کے ساتھ ہی سلاست و جودتِ طبع، انوکھے طرز اور ایجاز میں بھی آپؐ بے مثال تھے، الفاظ کی فصاحت و معانی کی صحت میں آپ حدِ کمال پر فائز تھے آپؐ کی گفتگو میں تکلف اور لفظوں میں تنافر نہیں ہوتا تھا، آپ کو جوامع الکلم اور بدائع حکم دیئے گئے تھے اور آپؐ عرب کی مختلف زبانوں سے واقف تھے اور ہر قوم و قبیلہ سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے اور سب سے ممتاز اور فائق رہتے"[1]

عربی زبان و ادب کا مشہور ادیب اور نامور انشاء پرداز جاحظ رقمطراز ہے :۔

"آپؐ کے کلام میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوتے تھے، وہ تکلف اور بناوٹ سے خالی ہوتا تھا، جہاں بسط و تفصیل کا موقع ہوتا وہاں شرح و بسط سے کام لیتے، اختصار کا اقتضا ہوتا تو مختصر بات کرتے، اجنبی، نامانوس مبتذل اور بازاری الفاظ استعمال نہ کرتے جو کچھ بھی فرماتے وہ گنجینۂ حکمت ہوتا اور عصمت و پاکیزگی اس پر چھائی رہتی، ایسے ہی کلام کو اللہ تعالیٰ محبوبیت و مقبولیت بخشتا ہے اور وہ وقار و ہیبت کا حامل ہوتا ہے، مختصر اور قلیل ہونے کے باوجود وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، سننے والے کے سامنے اسے دوبارہ بیان کرنے کی احتیاج نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کسی طرح کی کمی اور سقوط نہیں ہوتا"[2]

---

[1] شفاء قاضی عیاض مع شرح نسیم الریاض للخفاجی ج ۱ ص ۴۷۷ تا ۴۷۹ مطبع عثمانیہ ترکی ۱۳۱۲ھ

[2] بحوالہ اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ مصطفیٰ صادق رافعی ص ۲۹۴، ۲۹۵ مطبع رحمانیہ مصر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۶ء

ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصیح و بلیغ کلام کے بعض نمونے صحیح بخاری سے پیش کئے جاتے ہیں۔

استفہام عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے جس کا مقصد محض استفسار اور کسی سے کوئی بات دریافت کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ متعدد معانی اور گوناگوں پہلوؤں کا متضمن ہوتا ہے، یہ کبھی استبعاد، تحقیر، زجر، تنبیہ، استعجاب، اثبات، نفی، امر و تاکید کے لئے آتا ہے تو کبھی استدلال اور کسی امر پر غور و فکر کی دعوت دینے کے لئے بھی آتا ہے جس کا پتہ موقع و قرینہ سے چلتا ہے، اس اسلوب سے کلام کے زور و قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس کی تاثیر اور جاذبیت بڑھ جاتی ہے اور بلاغت و لطافت دوچند ہو جاتی ہے، اس روشنی میں آگے کی بحث اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔

یہ بداہتاً ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور آپ کے زرّیں ارشادات دراصل قرآن مجید کی تفسیر و بیان ہیں، نماز اسلام کا عظیم الشان رکن ہے جس کی حقیقت ذکر الٰہی ہے، قرآن مجید میں کہا گیا ہے :۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ ۲۰: ۱۴)   اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

اللہ کو یاد کرنے والا معصیت، فحشاء اور منکر کا مرتکب نہیں ہو سکتا، اسی حقیقت کو زیر نظر آیت میں واضح کیا گیا ہے :۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی	اور نماز قائم کرو بے شک نماز بے حیائی
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ	اور منکر سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد
اَکْبَرُ (عنکبوت ۲۹: ۴۵)	بہت بڑی چیز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو عمدہ، موثر اور بلیغ تشریح فرمائی ہے اس پر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے ملاحظہ ہو :۔

ارئیتم لوان نھرا بباب احدکم	غور کرو اگر کسی کے دروازے کے سامنے
یغتسل فیہ کل یوم خمسا ما تقول	کوئی نہر ہو جس میں وہ روز آنہ پانچ مرتبہ
ذلک یبقی من درنہ قالوا لا یبقی	غسل کرے تو کیا اس کا میل باقی رہے گا۔
من درنہ شیئا قال فذلک	لوگوں نے کہا نہیں اس کا میل باقی نہیں

مثل الصلوٰت الخمس یمحو اللّٰہ بہ الخطایا۔[1]

رہ جائے گا تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی حال پنجوقتہ نمازوں کا ہے جن کے ذریعہ اللہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

غور کیجئے کتنی واضح، مدلل، مؤثر، بلیغ اور دلنشین بات فرمائی گئی ہے جس میں کوئی اغلاق اور پیچیدگی نہیں ہے، استفہام اور تشبیہہ وتمثیل نے کلام میں جو عظمت، تاثیر، دلآویزی لطافت خوبی اور زور واثر پیدا کر دیا ہے اس کو بیان کرنا مشکل ہے، اس سے بلیغ اور مؤثر اندازِ بیان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الاقربین۔ اور اپنے نزدیک کے قبیلے کو ڈرائیے!

(شعراء۔ ۲۶: ۲۱۴)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جو آپ کے ہم خاندان تھے اکٹھا کرنے کے لئے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا "یا صباحاہ"۔ یہ لفظ عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ دوسرے قبیلہ پر دفعتاً غارت گری کے لئے ٹوٹ پڑتا ہے چنانچہ جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو چونک اٹھے اور آپ کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ارئیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل أکنتم مصدّقی۔

تم سوچ لو کہ اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے۔

سب نے بیک زبان ہو کر کہا:۔

ماجرّبنا علیک کذبا۔ ہمیں آپ کی نسبت کسی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں۔

لوگوں کے اس اقرار واعتراف کے بعد آپ نے اپنا مدعا پیش کیا کہ:۔

انی نذیر لکم بین یدی عذاب میں تمھیں ایک ایسے سخت عذاب سے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۶، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، مطبع کرزن دہلی ۱۳۲۲ھ

شدید[1]۔ ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش پیرایۂ بیان ہو سکتا ہے، گو ابولہب کی شقاوت نے آپؐ کی بات مکمل نہیں ہونے دی تاہم آپؐ نے اپنی بات پیش کرنے کا جو خوبصورت اور انوکھا طریقہ اختیار کیا اس سے کلام کا زور اور بلاغت حد کمال پر پہنچ گئی ہے، کلام کی اس رفعت، طاقت اور اثر آفرینی میں بڑا دخل آپ کے حسن تعبیر، جدّتِ ادا اور پیرایۂ استفہام کا ہے، جاحظ کا خیال ہے کہ "آپؐ اپنے فریق کو خاموش کرنے کے لئے وہ طریقہ اختیار کرتے تھے جو خود اس کے نزدیک معروف اور تسلیم شدہ ہوتا ہے، آپؐ سچائی سے لوگوں پر حجت قائم کرتے تھے اور حق کے ذریعہ ان پر فتح و غلبہ حاصل کرتے تھے" اس گفتگو سے اس کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے[2]۔

جاحظ کے خیال کی تائید کے لئے ایک دوسرا واقعہ پیش کیا جاتا ہے اس میں بھی آپ کے حسنِ بیان، جدّتِ ادا اور استفہام نے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔

غزوۂ حنین میں آپؐ نے مؤلفۃ قلوب کو تمام مالِ غنیمت دے دیا اور انصار محروم رہ گئے، اس کی وجہ سے انھیں شکایت پیدا ہوئی کہ پیغمبر قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی، انھوں نے تسلیم کیا کہ آپؐ کو صحیح معلوم ہوا ہے، انصار کے بعض لوگوں نے کہا یہ بات چند نوجوانوں نے کہی ہے، معمّر اور صائب الرّائے لوگوں نے ایسا نہیں کہا ہے تب آپؐ یوں گویا ہوئے:۔

یا معشر الانصار الم اجدکم ضُلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فألّفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔	اے انصار کے گروہ! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمھیں ہدایت دی، تم متفرق تھے، خدا نے میری بدولت تم کو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا،

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر تبت یدا ابی لہب ج ۲ ص ۷۳۴ مطبع کرزن دہلی ۱۳۲۵ھ

[2] بحوالہ اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ مصطفیٰ صادق رافعی ص ۲۹۵ مطبع رحمانیہ مصر ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء

دیکھئے یہاں استفہام سے سوال و جواب مقصود نہیں ہے بلکہ ایک حقیقتِ ثابتہ اور تسلیم شدہ امر کا اقرار و اعتراف کرانا اور انصار کے رویے پر تعجب کا اظہار کرنا مقصود ہے چنانچہ وہ ہر بات پر کہنے جاتے تھے کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہت امین ہے، آپؐ نے فرمایا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد! تم اس حال میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تمہاری تصدیق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے، ہم نے تمہاری غم خواری کی"، اس کے بعد آپؐ نے یہ پُر اثر بات فرمائی :-

أترضون ان یذھب الناس	کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ بکری اور
بالشاۃ والبعیر وتذھبون	اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں
بالنبی الی رحالکم فواللہ لما	خود پیغمبر کو لے کر جاؤ، خدا کی قسم تم لوگ
تنقلبون بہ خیر مما	جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر
ینقلبون بہ۔	ہے جسے تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔

اس پر تمام انصار کے لوگ پکار اٹھے قد رضینا[1] (ہم سب راضی ہیں)

اس ارشاد گرامی کے وجوہ بلاغت حد بیان سے باہر ہیں، کیسا انوکھا، لطیف اور دلآویز پیرایۂ بیان ہے، استفہام اور طرزِ ادا کی بداعت نے کلام میں جو لطف و اثر پیدا کر دیا ہے وہ داد و تحسین سے بالاتر ہے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مہتم بالشان خطبہ حجۃ الوداع کا ذکر بھی ہے جو دراصل انسانیت کا منشور اور اسلام اور اسلامی شریعت کے احکام و ہدایات کا مجموعہ ہے، اس میں بھی استفہام کے اسلوب نے جو زور، اثر، روانی اور سلاست پیدا کر دی ہے وہ افصح العرب کی فصاحت و بلاغت اور قدرتِ بیان کا معجزہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا :-

اتدرون ای یوم ھذا قالوا	کیا تم کو خبر ہے کہ یہ کون سا دن ہے، لوگوں نے
اللہ ورسولہ اعلم قال فان	جواب دیا کہ اللہ و رسولؐ کو اس کا بہتر علم ہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی غزوہ حنین ج ۲ ص ۶۲

هذا یوم حرام افتدرون ای بلد هذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شهر هذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شهر حرام۔	آپؐ نے فرمایا یہ یوم الحرام ہے، دریافت فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کون سا شہر ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے ارشاد ہوا کہ یہ بلد الحرام ہے پھر سوال کیا، کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے ارشاد ہوا شہر حرام۔

اس سوال و جواب کے بعد اصل مدعا کو نہایت مؤکّد اور بلیغ اسلوب میں یوں ادا کیا :۔

فان اللہ حرم علیکم دماءکم واموالکم واعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا۔	خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو تم پر اس مہینہ میں اس شہر میں اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا۔

آپؐ خدا کے آخری نبی تھے، آپؐ پر دین و شریعت کی تکمیل کر دی گئی اسی لئے حجۃ الوداع میں ہر تعلیم و ہدایت بیان کرنے کے بعد لوگوں کو تاکید سے بتاتے جاتے تھے کہ دیکھو میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا جس پر وہ خود گواہ ہے، اب یہاں موجود لوگوں کا کام ہے کہ وہ خدا کے پیغام کو ان لوگوں کے بھی گوش گزار کر دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں یا دوسرے لفظوں میں آئندہ نسلوں کو بھی اس سے آگاہ کر دیں چنانچہ اس کے لئے یہ بلیغ، مؤثر اور پُرزور انداز اختیار فرمایا کہ "الاھل بلّغت" خبردار میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا، یہاں استفہام تنبیہ کے لئے آیا ہے، "اللّٰھم اشھد" خداوندا تو گواہ ہے کہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور بری الذمہ ہے "فلیبلغ الشاھد الغائب" جن لوگوں تک میری بات نہیں پہنچ سکی ہے ان تک اسے پہنچانے کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جو یہاں موجود ہیں اور میری باتیں سن رہے ہیں۔[1]

---

[1] ایضاً ص ۸۹۲، کرزن پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ

ضرب الامثال

آخر میں ان احادیث پر ایک نظر ڈال لینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکی ہیں، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا بڑا ثبوت ہیں کیونکہ کسی فقرہ کا عام رواج ہو جانا اور ضرب المثل اختیار کر لینا اسی وقت ہوتا ہے جب وہ فصاحت و بلاغت کی حد کمال پر پہنچا ہوا ہے، احادیث کے ذخیرے میں ان کی تعداد حد و شمار سے باہر ہے طوالت کے خوف سے صرف صحیح بخاری سے چند ضرب الامثال نقل کیے جاتے ہیں :-

- انما الاعمال بالنّیات — اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔
- لکل امرئٍ مانوی — ہر آدمی کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے۔
- انصر اخاک ظالما او مظلوما — اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔
- الحیاء من الایمان — حیا ایمان کا حصہ ہے۔
- ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا — بے شک شعر میں حکمت اور بیان میں جادو ہوتا ہے۔
- لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین — مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔
- الید العلیا خیر من السفلی — اوپر کا (دینے والا) ہاتھ نیچے کے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔
- ما اشبہہ الغراب بالغراب — کوا کوے سے کس قدر مشابہہ (عبدالرحمٰن بن افزی کی بیوی)
- یا انجشہ رفقا بالقواریر — اے انجشہ شیشوں (نازک عورتوں) کو نرمی سے لے جاؤ۔

مولانا اسیر ادروی
جامعہ اسلامیہ۔ بنارس

احادیث کا ادبی مقام و مرتبہ

ادب کی چاہے جو تعریف کی جائے، اس کا جو بھی معیار اور جیسی بھی کسوٹی مقرر کی جائے احادیث اس معیار اور کسوٹی پر کھرا سونا ثابت ہوں گی، لیکن میرے نزدیک اس طرزِ فکر سے احادیث کی ادبی شان کی عظمت اور اس کے ادبی شاہکار ہونے کا احساس مدھم ہو جاتا ہے، میرا ایمان مجھے اس خیال سے روکتا ہے، میری والہانہ عقیدت و شیفتگی میرے رہوارِ فکر کی لگام کھینچ کر یہ کہتی ہے کہ تمھاری سمتِ سفر صحیح نہیں ہے، کلامِ رسول یا احادیث ادبِ عالیہ کی خود کسوٹی ہیں اور عربی ادب کا ایسا معیار ہیں کہ جس پر عام انسانوں کے ادبی شاہکاروں کو پرکھنا اور جانچنا چاہیئے، دوسرے نمونوں کو سامنے رکھ کر کلامِ رسول میں ادبی پہلو ڈھونڈنا عقل و فکر کی گستاخی ہے اور دلیل کم نظری ہے، کلامِ رسول دنیائے ادب کا شاہکار ہی نہیں ادبی دنیا کا معجزہ ہے۔

احادیث کی شانِ امتیاز

آج ہمارے سامنے عربی ادب کے جو شاہکار موجود ہیں یا اعلیٰ شاعری کے نمونے ہیں جن میں بزم کی رنگینیوں کو الفاظ کے گل بوٹوں سے سجا کر چمن زار ادب بنا دیا گیا ہے یا رزم کی ہنگامہ آرائیوں کو فکر کے اتار چڑھاؤ اور پُرشوکت الفاظ کی زرہ بکتر پہنا کر معرکۂ کارزار کی عکاسی کی گئی ہے، اور ان ادبی شاہکاروں میں فکر و نظر کی ساری صلاحیتیں صرف کی گئی ہیں پھر ادیب و شاعر کے قلم نے ان کو ادبی صحیفوں میں زندۂ جاوید بنانے کا کارنامہ انجام دیا ہے وہ یوں ہی وجود میں نہیں آ گئے، پہلے دل میں خیال پیدا ہوا، پھر ذہن و فکر نے اس کے مختلف پہلوؤں کو سوچا،

دماغ نے غور کیا اور قلم نے دست گیری کی تب وہ ادبی شاہکار وجود میں آیا۔

احادیثِ رسول کا معاملہ اس سے بالکل جداگانہ ہے، یہ وقت، حالات، ماحول، ضرورت اور دوسرے تقاضوں پر فوری اور زبانی ارشادات میں افہام و تفہیم، ارشاد و تلقین وعظ و نصیحت اور درپیش مسئلوں کا ان لفظوں میں حل بتایا گیا ہے جن کو ہم آج حدیث کہتے ہیں، نہ قبل از وقت ذہن و فکر نے اس میں کاوش کی ہے، نہ چراغوں کی لو میں بیٹھ کر قلم نے لکھا ہے نہ ان میں عبارت آرائی کی کوشش کی گئی ہے نہ ان میں خوبصورت لفظوں کی تلاش کو دخل ہے اور نہ حسنِ انتخاب اور حسن ترتیب پیدا کرنے کی جد و جہد، اس کے باوجود احادیث کے جملے، الفاظ کی مرصّع کاری طرز ادا انداز بیان، سلاست و روانی، عبارت کی شگفتگی کی وجہ سے عربی ادب کے ایسے جواہرات ہیں کہ ان کے سامنے عام انسانوں کے ادبی شاہکاروں کے موتی کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔

تقریر و تحریر میں جو فرق ہے اس کو ہر تعلیم یافتہ شخص سمجھتا ہے ایک بہترین ادیب کی تحریروں پر لوگ سر دُھنتے ہیں، دل و دماغ پر کیف سرور نشہ بن کر چھا جاتا ہے اُسے سن کر قوتِ سامعہ کو وجد آجاتا ہے لیکن وہی ادیب جب اسٹیج پر آتا ہے تو اس کی زبان لکنت کھانے لگتی ہے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی زبان سے نکلتے ہیں، اس کی تحریر میں جو عبارت کی شگفتگی، سلاست روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے وہ یہاں دم توڑ دیتی ہے نہ وہ رعنائی خیال ہے نہ شادابی بیان، ربط کلام مجروح ہوتا ہے، سلسلۂ بیان ٹوٹ ٹوٹ کر آگے بڑھتا ہے لیکن وہی ادیب جب قلم ہاتھ میں لیتا ہے تو اس کا قلم زرِ خالص کا ایسا مرصع، سبک، موزوں، متناسب اور دیدہ زیب ہار بنتا ہے کہ اس کی چمک دمک اور آب و تاب سے عقل و فکر کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں ادیب کے ہاتھ کا بے جان قلم، ادیب کے بیدار ذہن سے زیادہ حساس اور بہترین ادب کی تخلیق میں اہم کردار ادا کرتا ہے، عبارت آرائی، لفظوں کے انتخاب اور نوک پلک درست کرنے میں موثر رول ادا کرتا ہے، ذہن میں خیالات آتے ہیں لیکن اس کی ترتیب، پیشکش کا انداز اور طرز ادا کیا ہو؟ یہ ادیب کا قلم بتاتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ قلم چلتے چلتے یک بیک رک جاتا ہے ادیب لاکھ چاہتا ہے کہ قلم آگے بڑھے لیکن قلم اپنا سر جھکائے اپنی نوک کاغذ پر جمائے اڑیل گھوڑے کی طرح ٹھہر جاتا ہے، قلم جب ادیب کے ذہن میں موجیں مارتے ہوئے خیالات کے لئے ایک عمدہ خوبصورت طرز ادا یا طریقۂ اظہار منتخب

کرلیتا ہے تو رکا ہوا قلم یک بیک چل پڑتا ہے قلم ادیب کی قوت فکریہ کو مرتکز کرتا ہے، اس کے افکار وخیالات چھانتا پھٹکتا ہے اس کے ذہن میں معلومات کا جو خزانہ ہے اس کے آبدار موتیوں کو چھانٹ لیتا ہے اور قیمتی جواہرات کو منتخب کرلیتا ہے تب کہیں قلم آگے بڑھتا ہے' اس لئے ہر ادبی شاہکار کے وجود میں آنے میں سب سے اہم کردار قلم کا ہوتا ہے زبان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔

اس کے برعکس احادیث یا کلام رسول موقعہ ومحل، حالات وماحول کے تقاضوں کے زیر اثر زبانی ارشادات اور مجلسوں کی باتیں ہیں روزمرہ کی گفتگو ہے۔ الفاظ کے انتخاب جملوں کی ترتیب زبان وبیان کے دلکش اسلوب اور خوبصورت طرز ادا میں ذہن وفکر کی اس کاوش کا قطعی دخل نہیں جو عام ادیبوں کے ادبی شاہکاروں کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی ہے' اس کے باوجود احادیث کا ادبی مقام ومرتبہ تا حد اعجاز بلند ہے جس مقام اور بلندی تک کسی ادیب کے طائرِ فکر کی پرواز ممکن نہیں، خود اہلِ زبان نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

ادب کا بحرِ ناپیدا کنار

مسلم شریف کی روایت ہے' ضماد ازدی مکہ آئے وہ جھاڑ پھونک کے ماہر تھے مکہ کے دشمنانِ اسلام نے ان کو بتا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہو گیا ہے، انھوں نے سوچا کہ اگر ان سے میری ملاقات ہوجائے تو میں ان کا علاج کردوں گا ہو سکتا ہے وہ صحت یاب ہوجائیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔

یا محمد ! انی ارقی من هذا الریح فهل لك۔ کیا آپ ہوا میں پڑ گئے ہیں؟ میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ یہ مکہ کے باہر کے آدمی ہیں مکہ کے دشمنوں نے ان کے ذہن میں یہ بات ڈالی ہے خود ان کے ذہن کی پیداوار نہیں' اس صداقت کے پیش نظر آپ نے نہ ان کی بات کی تردید فرمائی نہ یہ فرمایا کہ یہ دشمنوں کی سازش ہے اور جھوٹا پروپیگنڈہ ہے ان ساری باتوں سے قطع نظر کرکے آپؐ نے فرمایا: انّ الحمد للہ، نحمدہ ونستعینہ، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد

ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ ضماد ازدی نے یہ چند مرصع اور رواں دواں جملے سنے اور سن کر حیرت زدہ رہ گئے انھوں نے عرض کیا، حضورؐ! ایک بار اور حضورؐ نے ان الفاظ کو پھر دُہرا دیا انھوں نے اصرار کر کے تین بار یہ جملے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے پھر ان کا تأثر کیا ہوا؟ سننے کی بس یہی بات ہے، یاد رکھئے کہ ضماد عرب کے مشہور قبیلہ ازد شنوء کے فرد تھے، عربی زبان وادب اور عربی شاعری سے واقف تھے بلکہ رمز شناس تھے وہ نہایت حیرت سے عرض کرتے ہیں:۔

لقد سمعت قول الکھنۃ وقول	حضور! میں نے کاہنوں، ساحروں، اور
السحرۃ وقول الشعراء ما سمعت	شاعروں کے کلام سنے ہیں لیکن ان میں سے
مثل کلماتک ھٰؤلاء لقد بلغن	کوئی کلام آپ کے کلام جیسا نہیں یہ تو
قاموس البحر۔	فصاحت وبلاغت کا انتہاء سمندر
(بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۲۵)	ہے۔

ضماد ازدی نے الفاظ کے جادوگروں، عبارت آرائی کے فنکاروں کے شہسواروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند جملوں کے لعل وگہر کے سامنے خزف ریزے سمجھا اور اس کا عملی اظہار اس طرح کیا کہ انھوں نے ان کلمات کے سننے کے بعد بلا تاخیر عرض کیا:۔

ھات یدک أبایعک علی	دست مبارک بڑھائیے مجھے ایمان کی
الاسلام۔	دولت سے نواز دیجئے۔

اہلِ علم مسلسل ان الفاظ کو اپنے خطبوں میں دہراتے رہتے ہیں اس لئے ان کا ذہن عبارت کی سلاست وروانی، برجستگی، فصاحت وبلاغت، ربط کلام کے سلک گہر کی موزونیت کی طرف نہیں جاتا، لیکن عرب کے گاؤں کا رہنے والا، الفاظ کا جوہری، زبان وادب کا رمز شناس تھا اور اس کی قدر وقیمت کو سمجھنے والا تھا، اس کا یہ اعتراف کرنا لقد بلغن قاموس البحر یہ تو انتہاء سمندر ہے یہ اعتراف سیکڑوں نقادوں اور ادیبوں کے نقد وتبصرہ سے کہیں زیادہ وزنی اور کہیں زیادہ قدر وقیمت رکھتا ہے۔

جوامع الکلم کا امتیازی وصف

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے خصوصی اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اعطیت جوامع الکلم مجھے جوامع الکلم کا امتیازی وصف دیا گیا ہے، یعنی الفاظ مختصر سے مختصر استعمال کئے جائیں لیکن ان کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ معانی کی ایک پوری کائنات ان میں سما جائے یعنی سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے" بعض درختوں کے بیج اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ناخن میں سما جائیں لیکن جب اس سے ایک تناور درخت نکلتا ہے تو اس کے پھیلاؤ کے لئے ایک ایکڑ زمین بھی ناکافی ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ ایک ایکڑ زمین پر چھا جانے والا یہ درخت اسی ننھے سے بیج میں پوشیدہ تھا جو بیج آپ کے ناخن میں سما سکتا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جوامع الکلم کا یہی مفہوم ہے، حضورؐ کے بے شمار چھوٹے چھوٹے جملے ہیں کہ ایک ایک جملہ کی تشریح میں محض علماء نے صفحے کے صفحے سیاہ کئے ہیں۔

ادبِ عالیہ کا بلند ترین معیار یہ ہے کہ الفاظ مختصر ہوں مگر ادیب کے ذہن میں جو معنوی وسعت ہے اس کی کامل ترین ترجمانی کر سکیں، وہ ادبی کارنامہ شاہکار اور شہپارہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جو صرف الفاظ کا جنگل ہو اور خود رو جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہو کہ طائرِ معنی کا پرِ پرواز اس میں الجھ کر رہ جائے، اس کے بازو شل ہو جائیں اسی طرح وہ ادبی کارنامہ بھی شاہکار نہیں کہا جا سکتا ہے جس میں شہباز فکر خلاؤں میں جا کر گم ہو جائے، بہترین ادب لفظ و معنی کے بہترین امتزاج کا نام ہے اگر ادیب کم سے کم الفاظ استعمال کرتا ہے اور بات انتہائی مؤثر انداز میں ادا ہو جاتی ہے تو یہ اس کے ادبی کمال کی بہت بڑی سند ہے یہ خصوصیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجۂ اتم عطائے الٰہی سے حاصل ہے جوامع الکلم کی صفت سے متصف ہونا ادب کے ایسے بلند ترین معیار و مقام کا دعوی کرتا ہے جہاں فکر انسانی کی رسائی ناممکن نہیں تو دشوار ترین ضرور ہے، دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا ادیب یہ دعوی نہیں کر سکتا اور اگر کرتا ہے تو اہل علم اس کے دعوی کو آسانی سے تسلیم نہیں کر سکتے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعوی کیا تو دنیائے ادب کا سر اس کے سامنے خم ہو گیا، مدعیان شعر و ادب کی نگاہیں جھک گئیں۔

الفاظ کا برمحل استعمال

ایک اچھا ادیب لفظوں کا برمحل استعمال کر کے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے اور الفاظ میں جان ڈال دیتا ہے، ہر لفظ کی ایک معنوی خصوصیت ہوتی ہے، الفاظ ایک بکھرا ہوا خزانہ ہیں، سونے کے منتشر ریزے ہیں، سونے کے یہ ریزے اپنی جگہ سب قیمتی ہیں لیکن انھیں ریزوں کو جمع کر کے کسی زہرہ جمال شاہزادی کے کانوں کے آویزے بنا دیئے جائیں تو ان کی قدر و قیمت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے جیسے سورج کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے جس طرح سورج پر نگاہیں جمانا مشکل ہوتا ہے اسی طرح اس چار پیسے کے آئینہ پر اب نگاہوں کا ٹھہرنا دشوار ہو جاتا ہے جس میں سورج کا عکس آ گیا ہے، ادب عالیہ کے خالق کسی ادیب کے فن کا کمال یہی ہے کہ الفاظ کے موتیوں کو ایسی جگہ اور ایسے زاویہ سے رکھے فصاحت و بلاغت کے سورج کی سیدھی کرن اُن پر پڑنے لگے تاکہ ان کی آب و تاب اور ان کا اپنا حسن نکھر جائے، احادیث رسولؐ پر جب آپ باریک بینی سے غور کریں گے تو آپ ہر جگہ یہی محسوس کریں گے کہ یہ لفظ یہیں ہونا چاہئے جہاں ہے یہی وجہ تھی کہ عرب کے بدّو جو اپنے اکھڑپن اور درشت مزاجی کے باوجود لفظوں کے جوہری تھے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے چند جملوں کو سن کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور ان کی کایا پلٹ جاتی تھی، اور کفر کے اندھیرے سے ایمان کے اُجالے میں آ جاتے تھے، دنیا کے بڑے سے بڑے ادیب کے ادبی شہپاروں میں یہ جوہر نہیں، یہ تاثیر کلام نہیں اس لئے کلام رسولؐ کی دوسروں کے ادبی نمونوں کی کسوٹی پر پرکھنا کسی طرح موزوں نہیں۔

احادیث کے ادبی پہلوؤں پر ذرا اور تفصیل سے غور کریں تو ہمارے سامنے کچھ اور حقائق آتے ہیں، ادب عالیہ کے اجزاء ترکیبی میں جہاں الفاظ کا برمحل استعمال عبارت میں سلاست و روانی، برجستگی و شگفتگی کو دخل ہے وہیں کچھ اور بھی باتیں ہیں جو کسی ادبی کارنامے کو شاہکار بناتی ہیں جیسے تشبیہات میں ندرت و جدّت، تمثیل کی معنویت و وسعت انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انداز بیان اور لفظوں کا انتخاب کرنا بھی ہے اگر کسی شاعر یا ادیب کے کلام میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں تو اس کے کمال فن کا اعتراف ناگزیر ہے، مثلاً عمرو بن کلثوم

دورِ جاہلی کا شاعر ہے اس کی نگاہ اپنے قبیلہ کی نفسیات پر ہے جس سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے، اس نے اپنے قبیلہ والوں کی رگوں میں شجاعت و بسالت غیرت و حمیت کی آتش سیّال بھرنے کی اپنے قصیدہ میں جو کوشش کی ہے وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہے، وہ اپنے قبیلہ کے نوجوانوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتا ہے:۔

الا لایجھلنّ احدٌ علینا فنجھل فوق جھل الجاھلینا

سن لو کہ کوئی ہم سے اکھڑپن کی باتیں نہ کرے ورنہ ہم اکھڑپن کرنے والوں سے بڑھکر اکھڑپن کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے قبیلہ کی عورتوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

یقتن جیادنا ویقلن لستم بعولتنا، اذا لم تمنعونا

وہ ہمارے شاندار گھوڑوں کو چارہ پانی کا انتظام کرتی ہیں اور اپنے شوہروں سے صاف کہدیتی ہیں کہ اگر تم نے ہماری بھرپور حفاظت نہیں کی تو تم ہمارے شوہر ہونے کے لائق نہیں رہ جاؤ گے ایسے بزدل لوگ ہمارے شوہر نہیں ہو سکتے۔

حد تو یہ ہے کہ عمرو بن کلثوم اپنے قبیلہ کے دودھ پیتے بچوں کے بارے میں کہتا ہے۔

اذا بلغ الفطام لنا صبیٌ یخرّ لہ الجبابر ساجدینا

ہمارے قبیلہ کے بچے ابھی اپنی ماں کا دودھ بھی نہیں چھوڑتے کہ بڑے بڑے سورماؤں کے سر ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

وہ جب اپنا قصیدہ سناتا ہے تو جیسے شیر جھرجھری لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور حملہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے ویسے ہی اس کے قبیلہ کے جوانوں کے چہرے جوش شجاعت سے تمتما جاتے ہیں ان کے سروں کے بال غیرت و حمیت کے شدتِ احساس سے کھڑے ہو جاتے ہیں عمرو بن کلثوم کے کلام میں یہ تاثیر اس لئے پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے قبیلہ کی نفسیات سے آگاہ تھا، وہ قتل و غارتگری کے دلدادہ تھے وہ خوں ریزی اور خوں آشامی کے رسیا تھے یہ ان کا قومی اور قبائلی مزاج تھا ان کی فطرت تھی بس ان کے جذبات کو ذرا سا بیدار کرنے کی ضرورت تھی عمرو بن کلثوم نے ان کے فطری جذبات کو جگا دیا، شیر کو حملہ کرنے کے لئے بہانہ چاہئے بس ایک کنکری پھینک دیجئے اس کے مزاج کو گرم کرنے کے لئے یہی کافی ہے، عمرو بن کلثوم نے اپنے قصیدہ سے یہی کام لیا ہے

اس نے کنکری کے بجائے پتھر پھینکا ہے، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن اگر شیر یا کتا جانور کی طرح آپ کے سامنے کھڑا ہو جائے آپ کے اشاروں پر اس کی حرکات و سکنات وجود میں آئیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہو جائے تو یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ محیر العقول کارنامہ ہم کو نظر آتا ہے، حدیث کے چند جملوں نے کچھ ایسا ہی حیرتناک منظر ہمیں دکھا دیا ہے۔

احادیث میں نفسیاتی پہلو

احادیث میں نفسیاتی اظہار اور انسانی فطرت شناسی کا جوہر ہر جگہ چمکتا دمکتا نظر آتا ہے، یہی وجہ تھی کہ چند لفظوں میں دل و دماغ کی کایا پلٹ جاتی تھی، بظاہر جو کام بہت ہی دشوار نظر آتا تھا وہ اس طرح وجود میں آجاتا تھا جیسے سامعین کی خود یہی خواہش تھی، کلامِ رسول میں یہ تاثیر اس لئے بھی تھی کہ انسانی فطرت کے تاروں کو لفظوں کی مضراب سے اس طرح چھیڑ دیا جاتا تھا کہ اس سے محبت و مسرت کے نغمے اُبلنے لگتے تھے، بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ قبیلہ ہوازن سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی، جنگ میں جو تباہیاں اور بربادیاں دونوں طرف آتی ہیں، وہ آئیں، مسلمانوں نے کمال شجاعت کا مظاہرہ کر کے جنگ جیت لی، مال غنیمت ہاتھ آیا بہت سے غلام اور کنیزیں مجاہدین کے حصہ میں آئیں اور یہ سب کچھ مجاہدین میں شرعی قانون کے مطابق تقسیم کر کے ان کو مالک بنا دیا گیا اور وہ ان کے جائز مالک ہو گئے، کچھ ہی دنوں بعد قبیلہ ہوازن میں ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوتا ہے، پورا قبیلہ از خود دائرۂ اسلام میں آجاتا ہے، وہ مسلمان ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ہمارا مال اور ہمارے قیدی واپس ہو جائیں تو عنایت ہو گی مگر ان کی درخواست کی منظوری میں دشواری یہ تھی کہ سارا مال لونڈیاں اور غلام تقسیم ہو چکے تھے اور مجاہدین اور مسلمان فوجی اس کے قانونی اور شرعی مالک ہو چکے تھے، ان سے واپس لینے کا کوئی حق نہیں تھا اور وہ واپس کرنے پر مجبور بھی نہیں کئے جا سکتے تھے، مسئلہ نازک تھا، آپؐ نے ہوازن والوں سے فرمایا کہ دونوں

میں سے کسی ایک کا مطالبہ کر دو تو بات کی جائے، قبیلہ ہوازن کے وفد نے کہا نحن نختار سبیّنا ہم کو ہمارے قیدی دلا دیجئے آپؐ نے مسلمان مجاہدین کو مسجد میں جمع کیا اور فرمایا :-

اخوانکم جاؤا تائبین و انی	تمھارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں
قد رأیت ان اردّ الیھم سبیھم	میرا خیال ہے کہ میں ان کے قیدیوں کو
فمن احبّ منکم ان یطیب ذالک	واپس کر دوں تم میں سے جو بخوشی منظور
فلیفعل ومن احب منکم ان یکون	کرے وہ واپس کر دے اور جو اپنے
علی حظّہ حتی نعطیہ من اول	حصہ پر قائم رہنا چاہتا ہے یہاں تک کہ
مایفئ اللہ علینا فلیفعل۔	بیت المال کی پہلی آمدنی سے اس کا حصہ
(مشکوٰۃ صـ۴۲۶)	دیدوں وہ بھی واپس کر دے۔

ابھی ابھی قبیلہ ہوازن سے جنگ ہوئی ہے دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مسلمانوں نے جان لڑا کر فتح حاصل کی ہے، پھر ایسے دشمنوں کے لئے سب سے پہلا جملہ جو آپؐ نے استعمال فرمایا اخوانکم جاؤا تائبین تمھارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں گویا عداوت و دشمنی اور نفرت وغصہ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر برف کی سل رکھدی ایک بھائی میں عداوت ومحبت دونوں جمع نہیں ہو سکتیں، نفرت سے تپتے ہوئے دلوں پر محبت کی شبنم پڑنے لگی گرم آب وہوا میں یک بیک خنکی پیدا ہونے لگی، آپؐ اس پر بھی نظر رکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیدیوں کو واپس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا کیوں کہ وہ ان کے جائز مالک تھے مگر پھر بھی پورے مجمع میں شور مچ گیا کہ ہم سب لوگ قیدیوں کو بخوشی واپس کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اس طرح نہیں، ہو سکتا ہے کہ وقتی جوش میں یہ بات کہدی گئی ہو یا اس شور میں ان لوگوں کی آواز دب گئی ہو جو اپنے قیدیوں کو واپس نہیں کرنا چاہتے، اس لئے سب لوگ واپس جائیں اور ہر حلقہ کا نمائندہ فرداً فرداً ہر شخص سے پوچھ کر مجھے مطلع کرے کون اس پر بخوشی راضی ہے اور کون نہیں چنانچہ نمائندوں نے پوری تحقیق کے بعد دربار نبوت میں اطلاع دی کہ بلا استثناء ہر شخص برضا وخوشی قیدیوں کو واپس کرنے کے لئے تیار ہے، آپؐ کے چند جملوں نے ان کے ذہن و فکر میں انقلاب پیدا کر دیا عام حالات میں ایک بھی قیدی کی واپسی دشوار تھی لیکن ان جملوں کے بعد

ایک متنفس بھی ایسا نہیں رہا جس نے اپنی خوشی بلکہ پوری بشاشت سے اپنے قیدی کو واپس نہ کر دیا ہو، یہ کلامِ رسولؐ کی معجز نمائی تھی، انسانی فطرت شناسی کی تاثیر تھی، چونکہ لفظوں کا انتخاب جملوں کی ترتیب طرزِ ادا زبان و بیان عوامی نفسیات کو پیشِ نظر رکھ کر اختیار کیا گیا تھا اس لئے بات دلوں میں اتر گئی، پہلے کنیز اور غلام پاکر جو دل خوشیوں سے معمور تھا اب انھیں کو واپس کر کے ایک دوسری خوشی سے بھر گیا۔

نفسیات شناسی اور اس سے استفادہ کی ایک اور مثال سے بات اور واضح ہو جائے گی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی میں مقام جعرانہ میں مالِ غنیمت تقسیم فرمایا اس موقعہ پر قریش والوں کو کچھ زیادہ حصہ ملا، قریش کو اسلام لائے ابھی کچھ ہی دن گذرے تھے اور وہ اسلام کے بعد پہلی جنگ میں شریک ہوئے تھے، انصار کے نوجوانوں نے یہ دیکھا تو ان کو تھوڑا ملال ہوا اور آپس میں جو باتیں کیں اس کا ایک ٹکڑا روایتوں میں موجود ہے۔

یغفر اللہ لرسول اللہ صلی اللہ	خدا حضورؐ کی مغفرت فرمائے وہ قریش والوں
علیہ وسلم یعطی قریشًا ویدعنا	کو دے رہے ہیں اور ہمیں نظر انداز فرما رہے ہیں،
وسیوفنا تقطر من دمائھم۔	حالانکہ ان کا خون ہماری تلواروں سے
(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۷۶)	ٹپک رہا ہے۔

یہ بات حضورؐ تک پہونچ گئی، فوج کا بددل ہونا کسی بھی نظامِ حکومت کے لئے بڑا خطرناک ہوتا ہے اور پھر فوجی دماغ بھی کچھ خاص سانچوں میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے اگر فوج سے بددلی کو فوراً رفع نہ کیا جائے تو اسکی وفاداری متأثر ہو سکتی ہے یہ انتہائی تشویشناک مرحلہ ہوتا ہے، فوجی قوانین بھی کچھ الگ ہوتے ہیں مگر حضورؐ نے نہ کورٹ مارشل کیا نہ کسی پر فردِ جرم عائد کیا، آپؐ نے انصار کے معزز افراد سے فرمایا کہ سارے انصار کو ایک خیمہ میں جمع کرو، کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو جب سب لوگ آگئے تو آپؐ نے دو تین جملے ارشاد فرمائے پہلے جملے میں قریش کو کچھ زائد دینے کی وجہ بتا دی پھر انصار سے فرمایا:۔

اما ترضون ان یذھب الناس	اے انصار! بتاؤ کیا تم کو اس پر خوشی نہیں
بالاموال وترجعون الی رحالکم	ہو گی کہ لوگ تو دنیا وی مال و متاع لے کر
برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو

(مشکوٰۃ ص ۵۷۶) لے کر اپنے گھروں کو لوٹو۔

ان دو جملوں نے انصار کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے لوگ جوشِ مسرت سے چیخ پڑے اور آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے اور ہر طرف سے آواز آنے لگی یا رسول اللہ قد رضینا یا رسول اللہ قد رضینا حضورؐ انصار کی والہانہ محبت وفاداری جانثاری کے جذبات سے واقف تھے اور مخلصانہ عقیدت و محبت میں اپنے محبوب کے لئے انسان اپنی ساری کائنات تج سکتا ہے حضورؐ کے ان دو جملوں نے اسی جذبۂ محبت کو بیدار کر دیا، نتیجہ سامنے آگیا، یہ ادیب کے کمال فن کا سب سے بڑا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ الفاظ سے سوئے جذبات کو بیدار کر دے۔

میں احادیث کے ادبی پہلوؤں کی طرف صرف اجمالی اشارات کرتا چلا آرہا ہوں اگر انکی تفصیل کی جائے اور مثالیں پیش کی جائیں تو یہ مضمون یا مقالہ نہیں کتاب بن جائے، احادیث میں ان گنت دعائیں منقول ہیں، حضورؐ نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے ہیں، موقعہ و محل اور حالات کے پیش نظر صحابہ کو خطاب فرمایا ہے، نصیحتیں فرمائی ہیں، اور ہدایتیں دی ہیں حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو شاندار خطبہ دیا ہے وہ اگرچہ تاریخ میں مکمل اور مربوط نہیں ملتا لیکن جستہ جستہ جو اس کے ٹکڑے مختلف روایتوں میں پائے جاتے ہیں وہ اتنے معنی خیز، صفت جوامع الکلم کے شاہکار شستہ شگفتہ سلیس لفظوں کے بے مثال انتخاب، انداز بیان اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایسے جواہر پارے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ دمکتے ہوئے سورج کو تراش کر اس سے چمکتے ہوئے ستارے بنائے گئے ہیں، چمن زارِ ادب کے شگفتہ پھولوں کے چھوٹے چھوٹے دلکش و جاذبِ نظر گلدستے ہیں، ان کی معنوی وسعت کا یہ عالم ہے کہ وہ اسلامی قوانین اور اصولوں کی پختہ دفعات بن گئے ہیں ان سے بہت سے شرعی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

اگر الفاظ و معانی کے بہترین امتزاج کا نام ادبِ عالیہ ہے تو یہ تسلیم کئے بغیر چارۂ کار نہیں کہ احادیث رسول اس ادبِ عالیہ کا سب سے بہتر و برتر اور سب سے شاندار نمونہ ہیں اور احادیث کا ادبی مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ جس طرح قرآن کریم اپنی مختلف خصوصیات و امتیازات کے لحاظ سے معجزہ ہے اور ساری علمی دنیا کے لئے چیلنج بنا ہوا ہے، اسی طرح احادیثِ رسول بھی عربی زبان و ادب کے معجزہ ہیں یہی میری اب تک کی گفتگو کا خلاصہ ہے اور یہی میرا ایمان ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلجی

احادیث نبوی کے ادبی محاسن

برصغیر کی سلفی تحریک اپنی گوناگوں خدمات کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس سے وابستہ علماء، فقہاء اور محدثین اسلامی علوم وفنون کی آبیاری اپنے خون جگر سے ہر دور میں کرتے رہے ہیں۔ عربی زبان کی ترویج واشاعت میں اس کا جو کردار رہا ہے، اس کی تفصیل اسی جامعہ سے شائع شدہ ایک عظیم کتاب "جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات" سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ خالص زبان وادب پر علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، علامہ عبدالعزیز میمن، علامہ عبدالمجید حریری، علامہ محمد سورتی، علامہ محمد داؤد غزنوی، علامہ اسمٰعیل گوجرانوالہ اور مولانا عبدالغفور لسکوہری کے ادب پارے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، رابطہ ادب اسلامی کی سرپرستی کا شرف آج جس ادارے کو حاصل ہے، اس کا ابتدائی تخیل تحریک ندوۃ العلماء نے پیش کیا تھا اور تحریک کے ابتدائی معماروں میں سلفی تحریک کے سرخیل جماعت علامہ ثناء اللہ امرتسری، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی اور علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام سرفہرست ہے۔

حدیث کے ادبی محاسن پر منعقد ہونے والا یہ سمینار انشاء اللہ ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔ احادیثِ رسول کی معنویت کے مخفی گوشے سامنے آئیں گے اور اسلام پسند ادیبوں کے مطالعہ وتحقیق کے لیے نئے دروازے کھلیں گے۔ آج اسلام پسند ناقدین اور ادیبوں کے باہمی روابط کی اہمیت اور ضرورت مخصوص حالات کے پیش نظر بڑھ چکی ہے۔ ہم اس حقیقت سے اچھی

مولانا عبدالوہاب خلجی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلیٰ اور جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس منتظمہ کے رکن ہیں

طرح واقف ہیں کہ مغرب کے زیر اثر پروان چڑھنے والے ادب نے انسانی معاشرہ کو تمام اخلاقی قدروں سے محروم کر دیا ہے۔ الحاد و دہریت کے جراثیم اس کی ہر صنف میں موجود ہیں۔ استعماری قوتوں کے غالب آجانے کی وجہ سے مسلمان ادیب بھی اپنی انفرادیت کھوتے جا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں اس عریاں ادب کو ساتر لباس پہنانے اور بے حیائی کے راستہ پر گامزن ادب کو حیا کی چادر اڑھانے کی خاطر اسلام پسند ادیبوں کا گروہ سامنے آیا ہے۔

لسانی اور ادبی مسائل کو سچائی اور دیدہ وری سے سمجھنے کے بعد اگر خادمانِ ادبِ اسلامی کے باہمی تعاون کا سلسلہ جاری رہا تو انشاء اللہ اشتراکی اور نام نہاد ترقی پسند ادیبوں کا قبلہ جس طرح ٹوٹ کر بکھر چکا ہے۔ اسی طرح دیگر الحادی نظریات کے بت بھی پاش پاش ہو جائیں گے۔ ایک طویل عرصہ تک اسلامیات کے نثر پاروں کو تبلیغی ادب کہہ کر نظر انداز کیا جاتا رہا۔ گل و بلبل اور حسن و عشق کی سطحی اور لذت خیز داستانیں ہی ادب کا سرمایہ بنی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وحیِ الٰہی اور رسالت کی پُرحکمت باتیں عوامی زندگی کے دور دراز گوشوں تک نہیں پہنچ سکیں۔ خود ہمارے ملک کی سب سے شیریں زبان اردو کے سلسلے میں اس کے مورخین کا رویہ سب کے سامنے ہے۔ "باغ و بہار"، "طوطا مینا" اور "داستان امیر حمزہ" کو ادب کے زمرے میں شامل کیا گیا لیکن شاہ اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" اور شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن ادب کی بارگاہ میں شرف قبولیت نہ پا سکا۔ لیکن اب الحاد کا طلسم ٹوٹ رہا ہے، مادیت کا مارا ہوا انسان روحانی زندگی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ اپنے درد کا درماں اور اپنے غموں کا مداوا چاہتا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اسلام پسند ادیب آگے بڑھیں اور تاریکیوں میں بھٹکتی انسانیت کو روشنی کی شاہراہ پر لا کھڑا کریں۔ مجھے پوری امید ہے کہ زبان و ادب کے تمام وسائل سے لیس ہو کر اسلامی ادیب میدان میں اتریں گے اور وقت کے تمام حساس مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر کی بہترین وکالت کریں گے۔

دینِ اسلام اللہ کا آخری اور محبوب ترین دین ہے۔ اپنے آخری رسول کا اولین مخاطب اللہ نے ایک ایسی قوم کو بنایا جو اپنے علاوہ تمام دنیا کو عجم کہتی تھی۔ اس کی فصاحت و بلاغت کا ہر چہار سو چرچا تھا۔ اللہ نے اس قوم کو اولین مخاطب بنا کر ایک ایسی کتاب نازل

فرمائی۔ جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام شاعروں اور ادیبوں کو عاجز کر دیا۔ نامور خطیب اس کے سامنے گونگے ہو گئے۔ اسی طرح اپنی آخری وحی کے لیے جس ذات گرامی کا انتخاب کیا وہ عرب کے فصیح ترین قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھی اور پھر اس نے ان کے دودھ پینے کا انتظام ایک ایسے قبیلہ بنو سعد میں کر دیا جو اپنی فصاحت اور زبان کی درستگی میں تمام عرب میں فوقیت رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کا یہی وہ قدرتی انتظام تھا۔ جس کی وجہ سے آپ خود کو افصح العرب کہا کرتے تھے۔ آپؐ نے شاعری نہیں کی، لیکن "إن من الشعر لحکمة" کہہ کر اسلامی شاعری کا رُخ متعین فرمایا۔

ألا کل شئ ماخلا اللہ باطل وکل نعیم لا محالة زائل

کو کلمۂ حق کہہ کر یہ بتا دیا کہ اب آئندہ کی شاعری کا مزاج کیا ہونا چاہیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہادت ہے کہ آپؐ ایک ایک لفظ الگ الگ کر کے فرمایا کرتے تھے آپؐ کی خود اپنے بارے میں گواہی یہ ہے کہ مجھے جوامع الکلم سے سرفراز کیا گیا۔ آپؐ کی زبان انتہائی شیریں اور شستہ ہوا کرتی تھی۔ طرز تخاطب بڑا دلنشیں ہوتا تھا۔ موقع و مناسبت سے آپ کی گفتگو اثر آفرینی میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے بلاغت و معانی کی تمام خوبیاں آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطبات اپنی برجستگی، دل نشینی اور اثر آفرینی میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ احادیث کے ادبی محاسن کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا، اگر ان خطبات کو بحث و تحقیق کا موضوع نہ بنایا جائے۔ جماعت اہل حدیث کے ایک نامور خطیب، متبحر عالم دین، مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے نصف صدی پیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ایک ہزار خطبات کا مجموعہ مرتب کیا تھا۔ مولانا مرحوم نے تفسیر، حدیث، سیر و مغازی کی مختلف کتابوں کے ہزاروں صفحات کے یہ جواہر پارے یکجا کیے ہیں۔ خطباتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انسائیکلو پیڈیا آجکل "خطبات محمدی" کے نام سے "الدار السلفیة" بمبئی سے قائد جماعت علامہ حضرت مولانا مختار احمد

ندوی حفظہ اللہ، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند و نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ تمام وابستگانِ ادب اسلامی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطبات کے ادبی محاسن کو بحث و تحقیق کا موضوع بنائیں گے۔

حدیث کے ادبی محاسن اجاگر کرتے ہوئے جہاں بلاغت و معانی کے جملہ اوصاف جیسے حقیقت و مجاز، تشبیہ و تمثیل، استعارہ اور کنایہ وغیرہ کے حسین و برمحل استعمالات کی نشان دہی کی اہمیت ہے وہیں کوئی اسلام پسند ادیب اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ ارشاداتِ نبوی سے ادبی رجحانات کی تعیین ہوتی ہے، ان سے وہ اصول ملتے ہیں کہ جن کی رعایت سے ہی ایک صالح اور پاکیزہ ادب کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ ادبی محاسن کی تلاش میں ہمارے ادیب جب احادیث رسول کا رُخ کریں تو وہ صرف صحیح و حسن حدیث کو اپنا مرکزِ توجہ بنائیں کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ضعیف اور موضوع احادیث کا انتساب نہ صرف غلط ہے، بلکہ بعض صورتوں میں حرام و ناجائز ہے۔ عربی ادب کی تاریخ اور اس کے فنّی لوازمات سے بحث کرنے والی بیشتر کتابوں کے سرسری جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین نے خصوصی اہمیت کی حامل اس پہلو کو نظر انداز کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایک ادیب فن رجال کی گتھیاں سُلجھانے کی بجائے الفاظ و تراکیب کی تراش و خراش پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن اس کی اسلام پسندی کا اوّلین تقاضہ ہے کہ وہ اپنے ادب پاروں میں خالص اور صاف ستھرا اسلام پیش کریں۔ علمی ترقی کے اس دور میں صحیح احادیث پر مشتمل کتابوں سے استفادہ کسی عربی ادیب کے لیے چنداں مشکل نہیں ہے۔

حدیث کی لسانی اہمیت پر غور کرتے ہوئے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ صحیح اور موضوع احادیث میں ادبی و لسانی بنیاد پر فرق کیا جا سکے۔ موضوع احادیث کی معرفت اور شناخت جن بہت سارے ذرائع سے ہوتی ہے، وہیں اس کا ایک ذریعہ مروی کی رکاکت بھی بتائی جاتی ہے۔ عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ زبان رسالت سے نکلے ہوئے اصلی کلمات اور آپ کی طرف منسوب کیے جانے والے وصفی کلمات میں فرق ہو۔ اس پہلو سے اگر ہمارے ادیب پیش رفت کر سکیں تو امت پر ان کا ایک عظیم احسان ہوگا۔

لسانی نقطۂ نظر سے ایک دوسرا سوال ہماری توجہ کا خصوصی مستحق ہے۔ ہم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ محدثین نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کے مفہوم و مدعا کو صحابی رسول نے اپنے لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ احمد حسن زیات اور دیگر عربی ادیبوں نے یہ سوال اٹھایا ہے۔ یہاں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ بہت کم ہیں۔ اگر ہیں بھی تو ان کی نشان دہی ایک مشکل کام ہے اس صورت میں حدیث کی لسانی قدر و قیمت کا مرتبہ کچھ فروتر ہوتا نظر آتا ہے۔ کیا آج کے ہمارے ادیب حضرات روایت بالمعنیٰ اور روایت باللفظ کی اس گتھی کو سلجھا سکیں گے۔ اگر اس سلسلے میں کوئی دشواری ہو تو اس پر بحث ہونی چاہیئے۔ تاکہ احادیث کی لسانی اہمیت سے جڑے ایک اہم مسئلہ کو حل کیا جا سکے۔

آخر میں ایک بار پھر میں اپنی اور اپنے اس عظیم ادارے کی جانب سے آپ کا پُرجوش استقبال کرتا ہوں اور اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ ہم اور ہماری جماعت اور اس کے دعوتی و تعلیمی ادارے علم و ادب کی کسی بھی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں اور شیدائیانِ علم و فن کے لیے ان کے دروازے ہمیشہ وا ہیں اور رہیں گے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس سنہری موقع سے ہمیں زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ان روابط کو اپنے دین کی نشر و اشاعت اور اس کی توسیع و ترویج کا ذریعہ بنائے اور ادارہ ادب اسلامی کی جانب سے جامعہ سلفیہ بنارس میں یہ سیمنار ماضی کی طرح ہمارے حال و مستقبل کے گہرے مراسم اور روابط کے استحکام کے لیے سنگ میل ثابت ہو۔ (آمین)

پروفیسر محمد راشد ندوی
شعبۂ عربی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حدیث نبوی کی ادبی حیثیت

دنیا کی تاریخ میں آج تک کوئی انسان ایسا نہیں ملتا جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قلمبند ہو، اور اسی طرح جو کچھ اس نے کہا، اس کو لوگوں نے سینہ سے لگا لیا ہو، اور اس کو دوسروں تک پہونچانے میں اپنی کامیابی کا راز سمجھا ہو اس سے صرف مستثنیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ترسٹھ سال کی زندگی میں آپ نے دنیا کو کیا دیا وہ ایک معجزہ ہے، آپ کے اقوال و افعال کا مجموعہ جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے اس کو تحقیق اور جستجو کے بعد مرتب کیا گیا اور اس کے طفیل وہ علوم وجود میں آئے جو حدیث کی افہام و تفہیم کے لیے ضروری قرار دیے جاتے ہیں وہ بھی انسانی تاریخ کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو پھیلانے میں، ان کو تحقیق کے بعد مرتب کرنے میں، ان کی شرح و تعبیر کرنے میں اتنی زیادہ محنت اور کاوش سے کام لیا گیا ہے کہ وہ انسانی علوم کا ایک حسین گلدستہ بن گیا ہے، اور آج تک مختلف علاقوں میں ہر زمانے میں لوگ اس سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ حدیث کی جو دینی اور شرعی حیثیت ہے اس پر مجھے اس وقت گفتگو نہیں کرنی ہے بلکہ زبان و بیان کے لحاظ سے اس کی کیا حیثیت اور نوعیت ہے، اور زبان و بیان پر اس کے جو اثرات مرتب ہوئے وہی میرے پیش نظر ہے۔

جب ہم حدیث کی ادبی حیثیت پر گفتگو کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو ہم سب سے پہلے ادب کی حیثیت متعین کریں تاکہ موضوع کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ ادب کیا ہے؟ اور اعلا ادب کی کیا شان ہے؟ اس کا کیا معیار ہے؟ اس پر ہر زمانے

میں گفتگو ہوئی ہے اور آج تک اس گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ ادب کے سلسلہ میں مختلف ادوار میں لوگوں نے جو کچھ کہا اور لکھا اس کو یکجا کر دیا جائے تو خود یہ نظریات ادب عالیہ کا نمونہ بن سکتے ہیں۔ ارسطو کے دور سے لے کر آج تک ادب کے سلسلہ میں جو نظریات سامنے آئے ان کو اجمالی طور پیش کیا جائے تو وہ چند جملوں میں آسکتے ہیں۔ ادب وہ ہے جس میں فصاحت و بلاغت کا عنصر پایا جاتا ہو اور اس میں "محاکاۃ" کا پہلو پوری طرح سے جلوہ گر ہو۔ ارسطو نے اعلیٰ ادب کو محاکات پر محمول کیا ہے۔ محاکات کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کچھ دیکھتا ہے یا دیکھ رہا ہے، وہ چیز جس شکل اور ہیئت میں ہے اس کو حسین و جمیل ترکیبوں کے ذریعے اس طرح پیش کرے کہ وہ شئی بالکل ویسی ہی نظر آئے، بلکہ قرآن پاک کی تعبیر "کأنہ ھو" کی صحیح مصداق ہو، فصاحت کے سلسلہ میں عام طور سے جو باتیں کہی جاتی ہیں کہ جملوں اور ترکیبوں میں جو لفظ استعمال کیے گئے ہوں وہ موزوں اور مناسب ہوں، بلکہ جس مفہوم کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا اس پر وہ لفظ پوری طرح دلالت کرتا ہو، کیوں کہ ہر لفظ کی الگ الگ طاقت اور دائرہ ہوتا ہے، اس کے استعمال میں فنکار کی مہارت کا دخل ہوتا ہے۔ بلاغت کی تعریف عام طور سے یوں کی جاتی ہے کہ جو بات جس جگہ کہی جا رہی ہو وہ موقع اور محل کے مطابق ہو۔ تقریباً یہی نظریات کم و بیش ادب کی تعریف میں آج تک جاری و ساری ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ ادب کو آج کل اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے کہ جس زمانہ کا وہ ادب ہو اس زمانہ کی اس میں صحیح تصویر و تمثیل ہو، لوگوں کے عقائد و نظریات، سیاسی شعور، قومی بیداری، علمی ترقی، تہذیب و تمدن کی اعلیٰ شکلیں، لوگوں کے رہن سہن اس میں ملتے ہوں، اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر زمانے کے ادب سے چاہے وہ ادب نظم میں ہو یا نثر ہو، اس زمانہ کی صحیح تصویر پیش کی جا سکے، چنانچہ اس بنیاد پر جاہلی ادب کے بارے میں کہا گیا: "الشعر دیوان العرب" اب آئیے اس پس منظر میں ہم حدیث نبوی کا مطالعہ کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک عام انسان کی، دوسری نبی

کی، "انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ"۔ بحیثیت بشر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے اعلا کردار و اخلاق کے مالک تھے، آپ کے ذہنی و جسمانی نشو ونما کے لیے وہ تمام ذرائع و وسائل موجود تھے جو کسی انسان کے لیے ہو سکتے ہیں۔ آپ مکہ میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان قریش تھا، آپ کی پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ قریش کو تمام قبائل عرب میں ہر حیثیت سے فوقیت حاصل تھی، مکہ اس زمانہ میں ادبی، دینی، سیاسی اور تجارتی مرکز تھا۔ پھر قبیلہ بنو سعد میں آپ کا بچپن گزرا، اس طرح ایک ہونہار بچے کے لیے ترقی کے تمام ذرائع اور وسائل موجود تھے اور خاص طور سے وہ ہونہار بچہ جس کا بچپن بھی مثالی تھا اور جوانی بھی، جس کو ہر دور میں شر سے اجتناب تھا اور خیر کی طلب تھی۔ جس طرح اس کی صورت و شکل میں ایک کشش تھی، زبان میں بھی ایک کشش تھی، اور ذہانت و فراست اس کی پیشانی پر نمایاں تھی، اس طرح وہ بچپن میں بچوں کے درمیان مقبول رہا، جوانی میں جوانوں کے درمیان ممتاز تھا، بلکہ یوں کہا جائے کہ وہ سب کا منظور نظر تھا تو غلط نہ ہوگا۔ اسی طرح زبان و بیان میں بھی اس کے شائستگی اور شگفتگی تھی، اور ذہن و فکر میں بھی استحکام اور اعتدال تھا، اسی لیے بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ کو نبوت نہ بھی ملتی تو عربوں میں ہر لحاظ سے ممتاز رہتے، لیکن صحیفۂ غیب میں کچھ اور ہی لکھا تھا، مکہ کے لوگوں کی اس نوجوان کے سلسلہ میں کچھ تمنائیں اور خواہشات تھیں لیکن چالیس سال کے بعد قریش کا وہ فرزند جو اس وقت تک قریش بلکہ پورے اہل مکہ کا نور نظر تھا، ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا، جب وہ گفتگو کرتا تھا تو چھوٹے اور بڑے اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، لیکن نبوت کے اعلان کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی اور یہ پوری طرح ثابت ہو گیا کہ چالیس سال کی عمر تک قریش کے اس ہونہار فرزند نے اپنے آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر نبوت کے لیے تیار کر لیا تھا، اور قرآن کی یہ آیت "انا عرضنا الأمانة علی السمٰوات والارض والجبال فأبین أن یحملنها و اشفقن منها وحملها الانسان"۔ یہاں امانت سے مراد خلافت ہے اور آیت: "لو انزلنا هٰذا القرآن علیٰ جبل

لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله وتلك الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكرون"۔ نبوت خلافت سے کہیں زیادہ اہم ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا اس امانت کو اٹھالیا اور قرآن کے الفاظ میں "یأیھا النبی انا ارسلناک بالحق بشیرًا ونذیرًا وداعیًا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا" تو اس طرح نبوت میں آپ کی شان بالکل مختلف ہوجاتی ہے، وحی الٰہی کے آپ امین بن جاتے ہیں اور اس وحی کو عام لوگوں تک پہونچانے میں آپ کو ذمہ دار بنادیا جاتا ہے، نبوت کا بوجھ کتنا تھا، اس کی ذمہ داری کتنی تھی، قرآن مجید کو ہو بہو لوگوں تک پہونچانا کتنا مشکل کام تھا کہ آپ خود گھبرائے اور پریشان رہتے تھے، اور قرآن کا اشارہ شاید اسی طرف ہے، "لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه" تو اس طرح آپ کی زندگی دو حصّوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک حصہ وہ جس میں آپ پر کلام مجید وقتاً فوقتاً نازل ہوتا اور آپ اس کو یاد کرتے، لوگوں کو سناتے اور لوگوں کے دلوں میں اُتارتے، گویا آپ کلام الٰہی کے مخزن تھے جس کے ذریعہ سے جہاں انسانی زندگی کے سدھارنے کے اصول وضوابط آپ کو معلوم ہوئے، وہیں آپ پر زبان وبیان کا ایسا مجموعہ نازل ہوا جو ہر لحاظ سے بالکل نیا اور نرالا تھا، بظاہر الفاظ وہی جو عربوں میں مستعمل تھے، ترکیبیں وہی جن سے وہ مانوس تھے لیکن لفظوں اور ترکیبوں میں جو جادو تھا وہ بالکل نیا تھا تھا چنانچہ سورۂ جن کی اس آیت میں "یا قومنا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنا به ولن نشرك بربنا احدًا" اس وقت کے تمام لوگوں کی ذہنی خلش اور لوگوں کے دلوں کی آواز مضمر ہے۔ دوسرا حصہ اس کلام الٰہی کی فکر کو، اس کے مقاصد کو لوگوں تک پہونچانا تھا۔ اس وقت آپ کی وہ زبان پوری طرح سے ساتھ دے رہی تھی جس کو آپ نے سیکھا تھا اور مانجھا تھا، اس زمانہ میں فصاحت وبلاغت کا جو اعلا معیار ہوسکتا تھا وہ آپ کو حاصل تھا، اس طرح اعلا زبان میں جب اعلا مقاصد شامل ہوئے تو زبان کا ظاہر وباطن بالکل بدل گیا، جو بظاہر وہی زبان تھی جو مکہ کے لوگ بولتے اور استعمال کرتے تھے لیکن اس کی تہوں میں کیا ہے اس کو خود اہل مکہ بھی

نہیں بیان کر سکتے تھے جنھوں نے بچپن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور ان کی زبان سے مانوس تھے اور خود وہ زبان کے امام تھے، اس طرح زبان کی ظاہری شکل میں بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن معنوی لحاظ سے جو تبدیلی آئی، جس کی وجہ سے ہر لفظ اور ترکیب میں ایک رعنائی اور حسن پیدا ہوا، اس کو عربی زبان کا ماہر محسوس تو کر سکتا ہے لیکن بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یہاں ہم پھر اس موضوع کی طرف لوٹتے ہیں کہ ادب وہ ہے جس میں زمانہ کی تصویر ہو، جس پر زیادہ تر اہل ادب کا اتفاق ہے، لیکن قرآن کے مطالعہ سے ادب کا تصور ہمیں دوسرا نظر آتا ہے۔ اعلا ادب وہ ہے جو انسان کے مزاج کو بدل دے، اس کے اخلاق کو بدل دے، اس کے رہن سہن کو بدل دے، اس کی عادات و تقالید کو بدل دے یہاں تک کہ اس کی چال و ڈھال کو بدل دے، یعنی زمانہ کی جو روش ہو اور اس روش میں بظاہر ہر چیز اچھی نظر آتی ہو، جس کو لوگ سینے سے لگائے ہوں اور فخر محسوس کرتے ہو، ان تمام چیزوں کو بدل دے۔

ہر سماج میں چاہے وہ سماج کتنا ہی ترقی یافتہ ہو اس میں انسان وہی چیزیں بناتا ہے اور اسی کے لئے کوشش کرتا ہے جو اس کے لئے، اس کے خاندان والوں کے لئے، اس کے قبیلہ والوں کے لئے، اس کے ملک والوں کے لئے بظاہر مفید اور اچھی ہوں، اس کی کامیابی میں وہ اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور اس میں ناکامی کو اپنی ناکامی سمجھتا ہے اور جب وہ اس دنیا سے جاتا ہے تو حسرت کرتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔

لیکن قرآن نے جو ادب پیش کیا وہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس کا کہنا ہے کہ تمھاری زندگی محدود، تمھاری نظر محدود، تمھاری سوچ محدود، اس لیے بہت سی چیزیں جن کو تم اچھی سمجھتے ہو وہ اچھی نہیں ہیں، چنانچہ قرآن کی آیت " قل ان کان آباءکم وابناۤءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ناقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا أحب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربّصوا حتیٰ یاتی اللہ بأمرہٖ " ان آیات میں اس زمانہ کی پوری زندگی کو چیلنج کیا گیا ہے، قرآن نے انسان کو متحرک بنانے کی کوشش کی ہے اور اس کو

سماج میں ایک مثالی انسان بنانے کی دعوت دی ہے، ایسا مثالی انسان جو اس زمانہ میں بالکل عنقا تھا اور اگر اس نے قرآن کے پروردہ لوگوں کو نہ دیکھا ہو تو اس کو یقین نہیں ہو سکتا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، قرآن کی آیت سُنیئے:

"ویطعمون الطعام علی حُبّہٖ مسکینا ویتیمًا وأسیرًا، انما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزآءً ولا شکورًا"۔

کسی بھی ترقی یافتہ سوسائٹی میں جب کہ عیش وعشرت کے وسائل مہیا ہو جائیں اس میں زندگی گزارنا ہی اس کی زندگی کا منتہی ہو جاتا ہے، اور عیش وعشرت کے ماحول سے نکلنا، محنت وجفاکشی کی طرف آنا، اس کو وہ جنون سے تعبیر کرتا ہے اور اس کے سامنے ایسے لوگوں کی مثالیں دی جائیں جنھوں نے اپنے آرام کو دوسرے کے آرام پر ترجیح دی اور اس کی خاطر اپنی جان دے دی تو اس کو حدیث خرافۃ یا اُم عمرو سمجھتا ہے۔

قرآن نے ایسے لوگوں کو عیش وعشرت کے ماحول سے نکال کر محنت وجفاکشی کی دعوت دی ہے اور وہ لوگ جو عشرت کدوں کو نہ چھوڑیں ان کو اس طرح خطاب کرتا ہے:

"یٰأیھا الذین اٰمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثّاقلتم الی الارض، أرضیتم بالحیٰوۃ الدنیا فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاٰخرۃ إلّا قلیل"۔

تو اس طرح دیکھا جائے تو ادب میں محاکات کے بے جان تصوّر کو کلام پاک نے بالکل اڑا دیا ہے اور مفید اور موثر زندگی کی رہنمائی کو کلام کا اصل جوہر قرار دیا ہے۔ خود جہاں تک ارسطو اور اس کے ہم نواؤں کا محاکات پر زور رہے، قرآن میں یہ چیز ملتی ہے لیکن اخیر میں اس میں دوسرے انداز سے جان ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آیئے ذرا اس منظر کو دیکھیں کہ ایک انسان کشتی پر سوار ہو، رات کی تاریکی میں گھنے بادلوں کا ہجوم ہو، تیز اور تند ہوائیں چل رہی ہوں، سمندر میں طغیانی ہو، اس کی موجیں آسمان کو چھو رہی

ہوں، اس حالت کی منظرکشی اور انسان کی اندرونی کیفیت کیا ہوگی۔ آئیے ذرا قرآن کے الفاظ میں دیکھیں :

" أو کظلمات فی بحر لجّی یغشٰہ موج من فوقہ موج سحاب اذا أخرج یدہ لم یکد یراھا، ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور"۔

حقیقت میں یہ تھوڑے سے وقت کی تصویر ہے، لیکن اس کی تہوں میں جایا جائے تو انسانی زندگی کی صحیح تصویر ہے کہ انسان کو سب کچھ حاصل ہو جائے، سورج اور چاند کی روشنی سے بھی وہ محظوظ ہو، لیکن خدا کے نور سے اگر وہ محروم ہے تو اس کی زندگی ایسی ہی ہے کہ سمندر کی تاریک گھڑیوں میں سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں سے بے چین و پریشان ہو، دیکھئے صورت حال کی صحیح تصویر کے ساتھ ساتھ قرآن نے جس فکر کی طرف رہنمائی کی ہے یعنی وہ نورالٰہی جس کے بغیر انسان کی زندگی شب تاریک ہی ہے، شاید اقبال نے اسی فکر سے لیا ہو :

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

آئیے قرآن کی ایک دوسری آیت جس میں محاکاۃ کے ذریعہ ایک غیر مرئی چیز کو مرئی بنا دیا گیا ہے اور ایک معنوی چیز کو مشاہدہ میں تبدیل کر دیا ہے :"اللہ نور السمٰوٰت والارض، مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیھا مصباح، المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کأنھا کوکب دُرّی یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار، نور علیٰ نور یھدی اللہ لنورہٖ من یشآء"۔

اس طرح ایک غیر مرئی چیز کی تصویر شاید دنیا کی کسی زبان میں بطور تمثیل نہیں ملتی۔ چنانچہ ارسطو کے نظریۂ محاکات کی تردید کرتے ہوئے مولانا حمید الدین فراہیؒ نے لکھا ہے :

" جس محاکات میں فنکار کا شعور و وجدان شامل نہ ہو اس کی حیثیت پتھر کی ایک مورتی سے بڑھ کر نہیں ہے جس میں سب کچھ ہے مگر جان نہیں اور اگر جان نہیں ہے تو وجدان و شعور کا تصور ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔"

اب آئیے اس اجمالی خاکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا جائزہ لیں جن کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کلامِ الٰہی کے امین تھے اور کلام پاک کی فکر اور حکم کے مبلغ تھے، اس طرح ایک ایسے کلام کے امین ہونے کے بعد جس میں زبان و بیان کا ایک اعلا اور متحرک مجموعہ ہو، جب اس کی لپٹ دوسرے چراغ کی طرف جائے گی تو وہ چراغ بھی منور ہو جائے گا، تو اس طرح آپ انسانوں میں انسان تھے لیکن آپ کی زبان سے جو الفاظ و ترکیبیں صادر ہوتیں ان میں قرآن کی فکر اور روح متحرک ہوتی، اس طرح قریش کے وہ فرزند جس نے زبان کی ہر نوک و پلک کو ٹھیک کیا ہو اور اپنے ہم عصروں میں زبان و بیان کے لحاظ سے ممتاز رہا ہو، جب اس پر کلام پاک کی روشنی کا عکس اور پرتو پڑا تو اس کی زبان اور اس کا بیان بھی اوروں کی زبان و بیان سے بالکل مختلف ہو گیا، اور قرآن کی سحر بیانی سے مسحور ہو کر یہ قریش کا فرزند جب کوئی بات کہتا تو اس کے لفظ و ترکیب میں قرآن کا سحر اور قرآن کی کشش پائی جاتی، جب حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ تو آپؓ نے بڑی سادگی سے فرمادیا تھا کہ آپ کے اخلاق مجسّم قرآن تھے، انّ خلقه القرآن۔

اس طرح جب آپ کے ظاہری اخلاق و کردار مجسم قرآن ہیں تو یہ بھی کہنا صحیح ہوگا کہ آپ کی زبان سے جو الفاظ نکلتے وہ اعجاز قرآنی کے رنگ میں رنگے ہوتے اور اس کے لفظوں اور جملوں میں قرآن کی طاقت اور توانائی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا انسانی زندگی پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کو محفوظ رکھا اور دنیا میں جب بھی کسی زبان و ادب کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا تو ادب نبوی کی حیثیت ہمیشہ اعلیٰ ادب کے لیے نمونہ اور ماڈل رہے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اگرچہ مرتب شکل میں نہیں ہیں، لیکن یہ تو زبان کے ماہرین کا کمال ہے کہ آپ کے اقوال سے، آپ کی حدیثوں سے ہر موضوع اور ہر فن پر بحثیں تیار کر سکتے ہیں اور ہر بحث اور ہر فکر میں جب حدیث نبوی کا عنصر شامل ہوگا تو اس بحث و فکر کی حیثیت تاج محل جیسی

ہوگی۔ بکھرے ہوئے اقوال جو مختلف موضوعات اور معانی پر مشتمل ہیں اور ان کے اندر وہ صلاحیت اور لچک ہے کہ ہر زمانہ اور علاقہ میں ان کو مرتب کر کے پیش کیا جاسکے، ہیرے اور جواہرات ایک ساتھ ایک جگہ نہیں ملتے، مختلف جگہ کے پتھروں کو کاٹ کر اور چاک کر کے ان سے ہیرے اور جواہرات نکالے جاتے ہیں اور جوہری کی مہارت کے نتیجہ میں ہاروں اور تاجوں کی زینت بن جاتے ہیں۔

ہم یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند زریں اقوال پیش کرتے ہیں جن سے ہماری بات کی تصدیق ہوگی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے :

قال صلی اللہ علیہ وسلم : مثل القائم علیٰ حدود اللہ والمداھن فیھا کمثل قوم استھموا علیٰ سفینۃ فی البحر، فأصاب بعضھم أعلاھا و أصاب بعضھم أسفلھا ، فکان الذین فی أسفلھا یصعدون فیستقون الماء، فیصبون علی الذین فی أعلاھا، فقال الذین فی أعلاھا لاندعکم تصعدون فتوذوننا، فقال الذین فی أسفلھا فانا ننقبھا فی أسفلنا فنستقی فان أخذوا علی أیدیھم فمنعوھم نجوا جمیعا وان ترکوھم غرقوا جمیعًا۔ (الترمذی ۲۔ ابواب الفتن)

وقال علیہ السلام : فواللہ ما الفقر أخشی علیکم ولکن أخشی علیکم أن تبسط الدنیا علیکم کما بُسطت علی من قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما اھلکتھم۔

(الترمذی ۲ ۔ ابواب الفتن)

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا :

یا ایھا الناس ھل تدرون فی أی شھر انتم وفی أی یوم انتم و فی أی بلد أنتم۔ فقالوا فی یوم حرام و بلد حرام وشھر حرام، قال : فإن دماءکم وأموالکم

وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هٰذا فى شهركم هٰذا
وفى بلدكم هٰذا الىٰ يوم تلقونه، ثم قال: اسمعوا منى
تعيشوا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا۔ الىٰ
أن قال عليه السلام: وان الزمان قد استدار كهيئة
يوم خلق الله السماوات والارض..... ألا لا ترجعوا
بعدى كفارًا يضرب بعضكم رقاب بعض۔ ألا إن الشيطان
قد أيس أن يعبده المصلون، ولكنه فى التحريش بينكم۔

طائف میں دست دعا دراز کرتے ہیں اور ان الفاظ میں تضرع وزاری کرتے ہیں:

اللّٰهم اليك اشكو ضعف قوتى وقلة حيلتى وهوانى
على الناس، يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين و
انت ربى الىٰ من تكلنى الىٰ بعيد يتجهمنى، أم الىٰ عدو ملكته
أمرى، ان لم يكن بك غضب علىّ فلا أبالى غير ان عافيتك
هى اوسع لى۔ اعوذ بنور وجهك الذى اشرقت له الظلمات
وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن تنزل بى غضبك
أو يحل على سخطك لك العتبى حتى ترضى ولا حول ولا قوة
الا بالله۔ (مسلم۔ کتاب الجهاد والسير)

یہ جو حدیث نبوی کے چند نمونے پیش کئے گئے ہیں ان کی خوبی اور حسن کے بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے کیونکہ بعض حسن ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی صحیح تعریف و توصیف میں بڑے سے بڑے ماہر ادیب و فنکار کا قلم بھی قاصر رہتا ہے۔ سورج کا حسن جب نکل رہا ہو، چاند جب افق پر اپنی شعاعوں کو بکھیر رہا ہو، نسیم سحری کے جھونکے جب مرجھائے دلوں میں روح پیدا کر رہے ہوں، ان کے بارے میں ہم کیسے اس حقیقت اور اس حسن کے اس عمل کو جس کو ہمارا وجدان، ہمارے شعور اور ہماری آنکھیں محسوس کر رہی ہوں بیان کر سکتے ہیں۔ یہی چیز ان احادیث کے بارے میں جو ابھی

پیش کی گئی ہیں ہم صرف ان کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ زبان و بیان کے یہ ایسے نمونے ہیں جن کو ہم محسوس تو کر سکتے ہیں بیان نہیں کر سکتے۔ اس لیے حُسن کا عمل ابدی و دائمی ہوتا ہے۔ کلام الٰہی کے عکس سے جو ادب وجود میں آیا وہ قرآن ہی کی طرح دائمی ہوگا کیوں کہ بغیر اس کے ہم نہ تو قرآن کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے اعجاز کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم حدیث کی عظمت، اس کی رعنائیت کو بغیر قرآن مجید کے نہ تو اس کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تہوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

جس طرح سورج کی پوری حقیقت معلوم کئے بغیر ہم چاند کی حقیقت اور اس کے حُسن کو نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح چاند کی حقیقت معلوم کئے بغیر سورج کی عظمت اور اس کے اس کائنات پر مرتب اثر کو بھی نہیں جان سکتے۔

اس طرح قرآن و حدیث دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔

ڈاکٹر سید عبدالباری
سلطان پور

سرکارِ دو عالمؐ کا حسنِ کلام

محمدؐ رسول اللہ کی ذات والاصفات نہ صرف انسانی تہذیب و اخلاق، تمدن و معاشرت اور سیاست و حکمرانی کی دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب کا نقطۂ آغاز تھی، بلکہ آپ پر قرآن حکیم کا نزول پھر آپ کی سیرت پُر وقار، سلیقۂ گفتار اور حکمت و دانائی کے گہر ہائے آب دار جو خیر البشر کے نطق و لب سے پھول کی مانند عہد رسالت کے ۲۳ سالوں میں مسلسل جھڑتے رہے، نہ صرف دنیائے انسانیت اور محفل علم و دانش بلکہ گلشن زبان و ادب کے لیے بھی ایک انوکھی بہار ثابت ہوئے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول سے قرطاس و قلم، نطق و گویائی اور ادب و انشا کا حقیقی جوہر عالم انسانیت پر آشکار ہوا۔ امتیاز حق و باطل کا شعور بیدار ہوا۔ جاہلی ادب کی جبلت پرستی، التہاب اور شعلہ مزاجی کے بجائے توازن، ٹھہراؤ اور تفکر کی شمیم جاں فزا سے مشام جاں معطر ہو اٹھا۔ ہمارے فہم و ادراک کے افق کو وسعت عطا کرنے اور تفہیم و تذکیر کا غیر معمولی کارنامہ انجام دینے والی احادیث کا بیش قیمت خزینہ قرآن حکیم کے بعد عربی نثر کا باضابطہ منضبط سرمایہ ہے جو صدیوں سے اپنے دل کش اسلوب کی وجہ سے بے شمار انسانوں کے دلوں کے تاروں کو چھیڑتا رہا ہے اور جس نے پوری نسل انسانی کو تہذیب گفتار، خوش سلیقگی نطق اور شائستگی اظہار عطا کیا ہے اور جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکمت و دانائی کے جواہر پاروں سے تاریخ ساز اور عہد آفریں انسانی جماعتوں کی تربیت کا کارنامہ بھی انجام دیا جا سکتا ہے۔

حدیث رسول اکرمؐ حافظ ابن کثیر کے الفاظ میں شارح قرآن ہی نہیں، بلکہ

اس میں قرآن حکیم کا اعجاز بلاغت بھی جلوہ گر ہے۔ امام شاطبی کے مطابق سنت رسول اللہ کو کتاب اللہ کی تعبیر و تشریح کا منصب بلند حاصل ہے مگر غور کیجئے تو رسول اللہؐ کے حسن کلام کے بے شمار پہلو منکشف ہوتے ہیں۔ کلام اللہ کی طرح کلام رسالت مآب میں بھی ایسی دل کشی، ایسی لطافت، ایسی فصاحت اور ایسا ایجاز ہے کہ بڑے بڑے فصحاء و اہل زبان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے اس متاع گراں بہا کو اصحاب رسول نے جان سے زیادہ عزیز سمجھا بلکہ عالم یہ تھا کہ حدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے حضورؐ کے صحابہ طول طویل مسافتیں طے کرتے اور ان جواہر پاروں کو دست بدست ایک دوسرے تک منتقل کرتے رہے بلکہ سینہ بہ سینہ انھیں لوح دل پر محفوظ کرتے رہے۔ یہ امت مسلمہ کی خوش نصیبی تھی کہ ایک طرف قرآن حکیم کا مہر تاباں اس کے لئے ضیا پاش تھا، دوسری جانب ماہتاب حدیث سے ایسی چاندنی پھیلی جس نے اس ملت بیضا کو سراپا سیم تن بنا دیا۔ آج بھی اس بحر ناپیدا کنار کی غواصی کیجئے تو نئے نئے گہر ہائے آبدار ہاتھ آتے ہیں۔ ہمیں شمع رسالت کے ان پروانوں کا احسان مند ہونا چاہیئے جنھوں نے حدیث کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ کی تحقیق کے لیے کیا کیا مشقتیں اٹھائیں۔ انھیں کی خدمات کی بدولت کلام نبوت کا یہ گلشن شاداب آج بھی لہلہا رہا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے عقبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث سننے کے لیے مدینہ مصر کا سفر اختیار کیا اگرچہ وہ یہ حدیث خود حضور اکرم سے سن چکے تھے مگر اس کے بارے میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جذبۂ شوق انھیں افتاں وخیزاں مصر تک لے گیا۔ آپ نے عقبہؓ سے سوال کیا کہ وہ حدیث بیان کرو جو تم نے مسلمانوں کی عیب پوشی کے سلسلہ میں سنی ہے اس لئے کہ اس کے سننے والوں میں میرے اور تمھارے سوا کوئی اور باقی نہیں۔ حدیث یہ تھی: "من ستر مسلما خزیۃ سترہ اللہ یوم القیٰمۃ" (جس کسی نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی قیامت کے دن خدا اس کی عیب پوشی کرے گا)۔ اس حدیث کی سماعت کے بعد وہ مصر میں اپنا کجاوہ کھولے بغیر مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔ تاریخ انسانی ایسے کرشمے کہاں سے پیش کرے گی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے سینے میں ۵۳۷۴ معتبر و مستند

و منزّہ احادیث کا ذخیرہ محفوظ تھا۔ ادب و فن اور علم و حکمت کے ان جواہر پاروں کو آنے والی نسلوں تک ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی تصدیق کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا کوئی معمولی شرف نہیں۔ سیدنا عیسیٰؑ کے حواریوں کے بعد ان کے فرمودات ضائع ہو گئے حتیٰ کہ آپ کا کلام چند ہی صدیوں میں آمیزشوں اور داستاں طرازیوں کے انبوہ میں گم ہو گیا اور ہدایت ضلالت میں تبدیل ہو گئی۔

علّامہ شبلی نعمانی نے فصاحت کی تعریف عبدالقاہر جرجانی اور دیگر علمائے بلاغت کے حوالے سے یوں کی ہے:

"لفظ متنافر الحروف نہ ہو، نامانوس نہ ہو، قواعد صرفی کے خلاف نہ ہو اور کلام میں شیریں و دل آویز اور لطیف آوازوں والے الفاظ استعمال کئے جائیں اور بھدّے و ناگوار الفاظ سے پرہیز کیا جائے۔ مزید براں مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائیں ورنہ کلام سپاٹ و یک رنگ ہو جائے گا۔"

فصاحت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ الفاظ کی نشست اور گرد و پیش کے الفاظ کے ساتھ اس کا توازن و تناسب درست ہو تاکہ گرانی محسوس نہ ہو۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ قرآن کی آیت "ماکذب الفؤاد ومارأی" میں فواد کی جگہ لفظ قلب اگر رکھیں تو نہایت غیر فصیح ہوگا، اگرچہ قلب خود ایک فصیح لفظ ہے۔ چونکہ ہر لفظ میں ایک سُر ہوتا ہے اس لیے وہ جن الفاظ کے ساتھ ترکیب دیا جائے ان کو ان سے تناسب ہونا چاہیئے۔ دو مخالف سروں کو ترکیب دے دیا جائے تو دونوں مکروہ ہوں گے، غرض فصاحت کے لیے بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دل آویزی، برجستگی، سلاست اور روانی ضروری ہے، لیکن فصاحت کے ان تمام تقاضوں سے ماورا کلام کے بلیغ ہونے کے لیے جو سب سے اہم شے ہے وہ مولانا حمیدالدین فراہی کے الفاظ میں حُسنِ مضمون ہے، یعنی یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہے نہ کہ الفاظ اور جو چیز دل میں پہنچتی ہے وہ دراصل معانی ہیں نہ کہ الفاظ یعنی کلام میں جب تک مضمون و معنی کی خوبی نہ ہو دل میں اُتر نہیں سکتا۔ حضور اکرمؐ سے خود خالق کائنات نے ارشاد فرمایا: "وقل ربّ زدنی

أنفسهم قولاً بليغاً۔ یعنی ان لوگوں سے ایسی بات کہیے جو دل میں اُتر جائے۔

علامہ شبلی مولانا فراہی کی 'جمہرۃ البلاغۃ' سے نقل کرتے ہیں کہ بلاغت عقل کی دست و بازو، انسانیت کا عنصر، راستی کی مترجم اور فخر کا تاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری انسانیت کے لیے پیام رحمت بن کر آنے والے ایک بلند مرتبت پیمبر نے بلاغت کا ایک ایسا اعجاز اپنے ہر ہر لفظ سے پیش کیا کہ آج تک اس کے اقوال کی مٹھاس اور اس کے فرمودات کی دانشوری دلوں کو مسخر کر رہی ہے اور ہر انسان کی راہ میں چراغ راہ گزر کی مانند روشن ہے۔ راغب الطباخ اپنی کتاب "الثقافة الاسلامية" میں اسلوب نبی کریمؐ کے سلسلہ میں قاضی عیاض کی کتاب "شفا" کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"لسانی فصاحت اور بلاغتِ کلام کے لحاظ سے نبیؐ کا مرتبہ نہایت بلند تھا، آپ کی گفتگو ایسے فصیح و واضح الفاظ سے مرصع ہوتی جو تنافر اور نامانوس ہونے کے شائبے تک سے پاک ہوتے۔ آپ کے قول میں نہ کوئی رکیک لفظ ہوتا نہ کہیں جھول دکھائی دیتا اور نہ تکلف و تصنع پایا جاتا۔ جس موقع پر جو لفظ استعمال فرماتے ٹھیک ٹھیک اسی موقع کے لیے اس کی وضع ہوئی ہوتی"۔

(تاریخ افکار و علوم اسلامی ترجمہ افتخار احمد بلخی)

چنانچہ "افصح العرب" ہونے کا اگر آپ نے اعلان فرمایا تو یہ بجا تھا کہ عربی مبین جس میں قرآن نازل ہوا آپ ہی کی زبان تھی اور اس کے لغات و محاورے آپ کی بلائیں لیتے تھے اور اس کا روز مرہ آپ کے لب چومتا تھا، مختلف قبائل کے اسالیب اور محاورے پر قدرت کی وجہ سے آپ کو صاحبِ جوامع الکلم کہا گیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں اس عہد یا کسی بھی عہد کے کسی زبان داں کو حاصل نہ ہو سکا۔ بڑے بڑے خطباء و فصحاء جب بولتے تو تکلف و تصنع ان کا دامن تھام لیتا اور وہ بسط و تفصیل نیز ایجاز و اختصار کے معاملہ میں توازن نہ قائم رکھ پاتے تھے۔ حضور اکرمؐ کے سامنے یہ سارے اربابِ زبان اور نکتہ شناسانِ بلاغت عاجز و حیران تھے۔ علامہ رافعی کے الفاظ میں:

"آپ صرف ان معانی و مضامین کو بیان کرتے جو نبوت کے الہامات،

حکمت کا نچوڑ اور انتہائی عاقلانہ امور ہوتے، جو کچھ کہتے اس میں بلاغت، پختگی اور اعتدال کی خوبی ہوتی۔" (اعجاز القرآن ۔ ص ۲۹۶)

عربی کے ممتاز قلم کار اور زبان داں جاحظ نے بھی حضورؐ کے اسلوب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"آپ کا کلام بناوٹ و تکلّف سے پاک، نامانوس و اجنبی الفاظ سے مبرّا تھا۔ سوقیانہ اور شائستگی سے گرے ہوئے کلمات سے آپ مجتنب تھے اور جب بھی آپ کلام فرماتے تو حکمت کے جواہر ہی سامنے آتے۔ یہ آپؐ پر خدا کا فضل خاص تھا کہ اس نے آپ کے کلام کو قلت الفاظ اور حسن تفہیم کا جامع بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے انتہائی کامیاب خطبے قلیل ترین الفاظ پر مشتمل ہیں۔ چکنی چپڑی باتوں یا طول کلامی سے آپ کا کلام منزّہ تھا۔"

علامہ رافعی "اعجاز القرآن" میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ خدا نے حضور اکرمؐ کو افصح العرب بنایا تو یہ اس کی عنایت خاص تھی ورنہ جو بے شمار علوم آپ کو حاصل تھے ان کے حصول کے لئے عرب کے ایک ایک قبیلہ میں جا کر آپ کو سالہا سال قیام کرنا ہوتا اور اس وقت اس طرح کی تعلیم و تربیت کا کسی ایک ادارہ یا ایک مقام پر کوئی انتظام نہ تھا۔ شاید نبی رحمتؐ کو یہ مقام امتیاز اس لیے حاصل ہوا تاکہ "آپ قوم کے سامنے عاجز نہ ہوں، اور اگر وہ سوال کریں تو آپ جواب سے قاصر نہ رہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا واسطہ جس قبیلہ سے بھی پڑا آپ نے ان کے اسالیب اور زبان و بیان میں ان پر اتمام حجت کی، تاکہ یہ بات مسلّم الثبوت ہو جائے کہ عرب جس نطق اور قوت گویائی پر نازاں تھے اس میدان میں پیغمبر اسلام کا کوئی مدّ مقابل نہیں۔ چنانچہ 'کلام نبوت' کے ممتاز شارح محمد فاروق خاں رقم طراز ہیں :

"نبیؐ کے ارشادات میں نہ صرف یہ کہ بلاغت و عبقریت کی شان نمایاں ہے بلکہ ان میں الہام کا اثر بھی واضح طور پر محسوس ہوتا ہے جس کی وجہ سے سرمایۂ ادب میں ان کو انفرادیت حاصل ہے۔" (کلام نبوت، ص ۳۱)

حضور اکرمؐ کے کلام میں وضاحت کے ساتھ خطابت کا حسن بدرجۂ کمال موجود ہے۔
خطابت و شاعری میں فرق یہ ہے کہ شاعری جذبات و احساسات سے زیادہ تعلق رکھتی ہے جب کہ خطیب احساسات سے مغلوب نہیں ہوتا، بلکہ مولانا فراہی کے الفاظ میں یہ بھی دیکھتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا اس لیے کہ وہ شاعر سے زیادہ عاقل، ذکی النفس اور عالی منزلت ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب خطبہ کو جادوگری کے بجائے حکمت قرار دیتے تھے۔
حضور اکرمؐ کی احادیث کا بہت بڑا حصہ ان چند خطبات کو چھوڑ کر جو آپ نے بعض اہم مقامات پر ارشاد فرمائے ان عام گفتگوؤں پر مشتمل ہے جو آپؐ کی اپنے رفقاء سے زندگی کے اہم مسائل یا روزآنہ کے عام امور پر مخاطبت سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ سرمایہ عام بول چال ہے اس لیے کہ پہلے سے تیاری اور کسی خاص معین مجلس درس میں یا اسٹیج پر پوری تیاری کے ساتھ یہ وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ اپنے اصحاب سے دوران گفتگو مسائل کی وضاحت اور دنیا و اسباب دنیا اور حیات و کائنات کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر کی توضیح یہاں ملتی ہے۔ یہ عام بات ہے کہ عام بول چال میں وہ فنی باریکیاں بالعموم نہیں ہوتیں جو بقول عبدالحلیم ندوی صاحب کسی کلام کو عام سطح سے اُٹھا کر اس خاص سطح تک پہنچا دیں جہاں کلام روزمرّہ کی بات چیت سے ممتاز ہو کر اس بلند و اعلیٰ سطح پر پہنچ جاتا ہے جہاں سامع کے گوشِ ہوش جھنجھنا اُٹھتے ہیں یا کسی ابدی حقیقت کا اس پر انکشاف ہوتا ہے یا ایسی پتہ کی بات معلوم ہوتی ہے جو عام طور پر روزمرّہ کی گفتگو سے نہیں معلوم ہوتی۔ چنانچہ روزمرّہ کی گفتگو ادب نہیں بنتی اِلّا یہ کہ کوئی عبقری یا فنافی الادب اور غیر معمولی قادرالکلام انسان ہو جس کے مکالمے بھی ادب بن جائیں جیسا کہ ڈاکٹر جانسن کے مشہور سوانح نگار باسول نے اس کے روزآنہ کے مکالموں کی مدد سے اس کی اعلیٰ درجہ کی ادبی سوانح حیات مرتب کی ہے۔
یعنی کلام کی اثر اندازی اور چیدہ الفاظ اور مضامین کے انتخاب کے لیے کچھ نہ کچھ تیاری لازمی ہے۔ فی البدیہہ یہ ممکن نہیں کہ نہایت بلیغ اور دلکش کلام عام گفتگو میں ظہور پذیر ہو۔ قدیم دور میں عربوں میں خطابت کا دور دورہ تھا مگر خطیب بھی کچھ نہ کچھ تیاری کے بعد اسٹیج پر آتا ہے۔

لیکن ہم کلام نبوت کو جو روزانہ کی عام گفتگوؤں پر مشتمل ہے، ادب کا اعلیٰ نمونہ پاتے ہیں اور عام بول چال سے ممتاز محسوس کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عربوں میں عام طور پر بول چال کی زبان بھی بقول عبدالحلیم ندوی لکھنے کی زبان سے کم دلکش و موثر نہ تھی۔ وہ اُسی فصاحت و بلاغت سے بولتے تھے جس انداز سے لکھتے تھے، ان کی عام بول چال میں دلکش اسلوب اور الفاظ کی سج دھج کے ساتھ بہت سی کہاوتیں حکیمانہ مقولے اور نصیحتیں رائج تھیں بلکہ بعض مناظرے تو ایسے ہیں جو تحریر کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر ایسے خطبات نثر کی شکل میں جاہلی دور میں ملتے ہیں جو کسی ملکی، قومی یا سماجی مسئلہ پر کسی اہم و ممتاز شخص کی زبان سے ادا ہوتے ہیں تاکہ مجمع کو ہم خیال بنایا جاسکے۔ ہم خیال بنانے اور جذبات کو اُبھارنے میں اُس عہد کے خطیب اپنی مثال آپ تھے، خطابت دورِ جاہلیت کا نشانِ امتیاز ہے۔ لُطف یہ ہے کہ عرب میں جاہلی دور میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہ تھا لیکن وہ اپنی بات کہنے اور کلام بلیغ کی قدر و منزلت کرنے میں بے مثال تھے۔ انھیں اپنی زبان پر ناز تھا اور دوسروں کو گونگا سمجھتے تھے۔ مختلف بکھرے ہوئے قبائل کو جوڑنے اور ان میں وحدتِ خیال پیدا کرنے کا نام خُطبار کرتے تھے اور یہی پیغام رسانی اور اشاعت فکر و خیال کا ذریعہ بنتے تھے چنانچہ شعلہ بیان، چرب زبان اور قادر الکلام خطیبوں کی کمی نہ تھی۔ قُس بن ساعدہ الایادی، عمرو بن معدی کرب اور اکثم بن سیفی اس فن میں ممتاز مقام پر فائز تھے۔ قُس بن ساعدہ جس نے سب سے پہلے امّا بعد کہنے کی رسم ایجاد کی تھی، خطابت کا بادشاہ تھا۔ اس کے خطبہ کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

"اے لوگو! گوش ہوش سے سنو اور یاد رکھو جو زندہ ہے اُسے ایک دن مرنا ہے اور جو مر گیا وہ ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔ جو چیز آنے والی ہے وہ آکر رہیگی۔ ایک گھٹا ٹوپ اندھیری رات ہے اور ایک اَنمٹ دن۔ ایک مختلف برجوں والا آسمان ہے اور اس میں چمکتے دمکتے ستارے۔ ایک طرف ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے تو دوسری طرف ٹھوس جمے ہوئے پہاڑ اور حدِ نگاہ تک پھیلی زمین۔ آسمان میں کچھ چیزیں ہیں اور زمین میں عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا

ہے کہ جاتے ہیں تو واپس نہیں آتے۔"

خود آنحضرتؐ نے بقول مولانا عبدالحلیم ندوی عکاظ کے میلے میں قُس کو تقریر کرتے سُنا تھا اور اس کی خدا لگتی باتوں کی بڑی تعریف کرتے تھے بلکہ آپؐ نے قریش سے اس کی تقریر کی روایت اپنی زبان مبارک سے کی ہے۔ آپؐ اس کے بولنے اور دلکش انداز سے بھی اتنے متاثر ہوئے تھے کہ دل کھول کر داد دیتے تھے۔ اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا قس پر رحم فرمائے، مجھے امید ہے کہ وہ قیامت کے روز ایک تنہا اُمّت کی شکل میں اُٹھائے جائیں گے۔"

(عربی ادب کی تاریخ، ص ۹۱)

مذکورہ بالا روایت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ کا ادبی ذوق کس قدر بلند تھا اور آپ قادر الکلام اور فصیح و بلیغ خطبار کی کتنی قدر کرتے تھے۔ خود آپ کے چند خطبات عربی ادب کے نادر نمونے ہیں۔ فتح مکّہ کے بعد آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ نہایت بلیغ و مختصر ہے۔ اس کا آخری جملہ نسل و رنگ اور غرور و کبر کے بُتوں کو چکنا چور کرنے والا اور انسانی مساوات اور احترام آدمیت کا ایک ایسا چارٹر ہے جس پر چل کر انسانی نسلوں نے جاہلیت سے تہذیب کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"یامعشر قریش! ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظّمھا بالآباء، الناس من آدم وآدم من تراب۔"

"اے گروہِ قریش! آج کے دن اللہ نے تم سے جاہلیت کا غرور چھین لیا اور آبا و اجداد کے بل پر بڑائی حرام کر دی۔ کُل بنی نوع انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔"

پھر فرمایا:

"لا تثریب علیکم الیوم۔ اذھبوا فأنتم الطلقاء"

"آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔"

جنگ حنین اور محاصرۂ طائف کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کے وقت انصار کو کچھ ملال ہوا تو سرکار دو عالمؐ نے ان کے سامنے بے مثال خطبہ دیا جو ایجاز و بلاغت کا نادر نمونہ ہے۔ آپؐ نے پہلے تو انصار پر اللہ اور اس کے رسول کے احسانات کا ذکر کیا اور اس کا اعتراف انھوں نے بآواز بلند کیا۔ پھر خود انصار کے احسانات اسلام اور پیغمبر اسلام پر گنائے اور پھر دلوں پر بجلی گرانے والے انداز سے فرمایا:

"نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ! لوگوں نے جب تیری تکذیب کی تو ہم نے تیری تصدیق کی، لوگوں نے تجھے چھوڑا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلوک الحال آیا تو ہم نے تیری ہر قسم کی مدد کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔"

اور پھر خطبہ کا یہ نقطۂ عروج ملاحظہ ہو جس نے کیتھارسس (تزکیۂ قلب) کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا اور انصار کے دل سے گردِ ملال مکمل طور پر چھٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا:

"کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر گھر جاؤ۔"

مجمع پکار اٹھا:

"ہمیں کچھ اور نہیں چاہیئے صرف محمدؐ چاہیئے۔"

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی خطبہ آپ کی بے مثال فصاحت اور لاثانی حسن خطاب کا نادر نمونہ ہے۔ اس کے فقرے اور جملے آج بھی تہذیب انسانی کے لئے مشعل راہ ہیں اور آج بھی ارض و سما میں یہ انقلاب آفریں صدائیں گونج رہی ہیں:

- الناس من آدم و آدم من تراب۔
- ألا كل مأثرةٍ أو دمٍ أو مالٍ يُدعىٰ به فهو تحت قدمىّ هاتين۔
- ألا كل مسلم اخو المسلم وان المسلمين اخوة۔

• وایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک من قبلکم الغلو فی الدین۔

آپؐ نے فرمایا کہ شیطان کو توقع نہیں کہ اس شہر میں اس کی عبادت ہو لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور اس پر راضی ہے۔ اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکاتیب مختلف حکمرانوں کے نام لکھوائے وہ بھی حکمت و موعظت، ایجاز و اختصار اور جرأت کلام کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ ہرقل کے نام خط کا یہ فقرہ ملاحظہ ہو: "اَسلم تسلم" (اسلام قبول کرو سلامت رہو گے) اور پھر یہ آگاہی:۔ "اگر تم نے روگردانی کی تو تمھاری جاہل رعایا کا گناہ تم پر ہوگا۔"

کسریٰ کے نام خط اِس بلیغ و فصیح فقرہ سے شروع ہوتا ہے:

"سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ"

اور پھر یہ خبر۔ "انی رسول اللّٰہ الی الناس کافۃ" (میں جملہ بنی نوع انسان کے لئے پیامبر ہوں) ۔ کسریٰ نے یہ خط چاک کر ڈالا تھا اور چند ہی دن بعد اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کے مقدر کا پروانہ چاک کر ڈالا۔

حضورؐ کی احادیث کا مطالعہ ایک صاحب نظر کو حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ اس بحرِ بیکراں میں کیا کیا چھپا ہوا ہے۔ آپ نے بجا ارشاد فرمایا تھا: "ادّبنی ربی فاحسن تادیبی" (مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین تربیت کی)۔

صحیح مسلم کا آغاز جس حدیث سے ہوتا ہے اُسے اُمّ الاحادیث کا درجہ حاصل ہے اور یہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔ یہ سارے دین کا نچوڑ ہے۔ اس کے آخری حصہ میں حضرت جبریلؑ حضورؐ سے قیامت کی علامات کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تو ارشاد ہوتا ہے:

" ان تلد الاَمَۃ ربّتھا وان تری الحُفاۃ العُراۃ العالۃ رُعاءَ الشّاءِ یتطاولون فی البنیات"۔

"جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تم ننگے پاؤں اور ننگے جسم والے کنگالوں اور بکریاں چرانے والوں کو دیکھو گے کہ وہ عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنا چاہیں گے۔"

لونڈی اور مالکہ کا استعارہ بالکنایہ لاجواب ہے، یعنی بیٹی جسے اپنی ماں کے ساتھ گہرا لگاؤ ہونا چاہیئے اس کا سلوک ماں کے ساتھ ایسا ہوگا جیسا بالعموم مالکہ کا اپنی لونڈی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ماں نے گویا بیٹی کو نہیں مالکہ کو جنا ہے۔ شرافت اور اخلاق سے ناآشنا لوگ اونچی عمارتوں کو اپنی عظمت کی دلیل سمجھیں گے۔ شاید یہ اسی دور حاضر کے لیے ارشاد ہوا ہے جب مغربی تہذیب کی شناخت اس کے اسکائی اسکریپر یعنی بلند سے بلند تر عمارات سے ہوتی ہے۔

اسی حدیث میں احسان کی تشریح میں حضورؐ نے قطرہ میں قلزم کو گرفتار کر لیا ہے:

"(قال) ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔"

"تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اُسے نہیں دیکھتے ہو تو وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔"

احادیثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے لیے ہدایت و راہنمائی اور حکمت و دانائی کے خزانے موجود ہیں۔ انسانی ذہن و فکر کی بلند پروازیاں علم و حکمت کے ان جواہر پاروں کے سامنے حقیر نظر آتی ہیں۔ گویا یہ تاریخ انسانی کی دانش و بینش کا نچوڑ ہیں۔ حضورؐ کے کلمات بلاغت نظام کے آگے قطرہ میں دریا کا استعارہ بھی ہیچ نظر آتا ہے۔ قرب قیامت کی ایک علامت سرکار نے یہ بھی بتائی ہے:

"اذا وُسِّد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ"۔

"جب اجتماعی امور نا اہلوں کے سپرد کیے جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔"

حضرت امیر معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

" من یرد اللہ بہٖ خیرًا یُفقِّھہُ فی الدّین "۔

" جس کے ساتھ خدا بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں تفقّہ عطا کرتا ہے "۔

حضورؐ کے اس فقرے کی موسیقیت، شیرینی اور دلکشی ملاحظہ ہو :

" انما انا قاسم واللہ یعطی "۔

" میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں، اللہ عطا کرتا ہے "۔

تشبیہ کا حُسن ملاحظہ ہو :

" فضل العالِم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب وان العلماء ورثۃ الانبیاء "۔

" عالم کا مقام عابد سے اسی طرح افضل ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت باقی تمام کواکب پر، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں "۔

حضرت ابو ذرؓ حضورؐ سے ایک حدیث کی روایت کرتے ہیں ــــ اللہ کا بندہ جب زہد اختیار کرتا ہے تو اس کے دل میں حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور زبان سے جاری ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں حضورؐ کا وہ مشہور قول درج ہے جو رہتی دنیا تک انسانی مجد و شرف کو ناپنے کا ایک کھرا معیار ہے، یعنی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، یعنی خدا کے نزدیک صاحب تکریم وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے حضورؐ کے وہ تاریخ ساز فقرے نقل ہوئے ہیں جو دینی فہم و فراست اور دانشوری و حکمت کو اسلامی نظام حیات میں ایک بلند مقام عطا کرتے ہیں :

" لفقیہ واحد اشد علی الشیطان من ألف عابد "۔

اور ــــ " لکل شئ عماد وعماد ھذا الدین الفقہ "۔

حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کرتے ہیں جو ایجاز و بلاغت اور حکمت و تدبّر کا مرقع ہے :

"انما انا اخاف علیٰ ھٰذہ الامۃ کل منافق یتکلم بالحکمۃ ویعمل بالجور"

"میں اس امت کے سلسلہ میں ہر اُس منافق سے ڈرتا ہوں جو باتیں علم و حکمت کی کرے اور اس کا کام ظلم و جور کا ہو"

علامہ اقبالؒ نے حکمت افرنگ کو سامنے رکھتے ہوئے شاید اس شعر میں حضورؐ کے مقدّس کلام کی ترجمانی کی ہے :

یہ علم یہ حکمت یہ تدبّر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں استعارہ کا جلال دیکھئے جو مذکورہ جُرم سے متعلق سزا کی سنگینی کو پوری طرح واضح کرتا ہے :

"قال رسول اللہ من سُئِل عن علم فکتمہٗ اُلجم یوم القیٰمۃ بلجام من نّار"

"جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چھپالے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی"

حضرت جابرؓ سے مروی ایک حدیث میں سہ حرفی صنعت (Alliteration) کا حُسن، الفاظ کا تناسب اور ان کی موسیقیت اور ان کی باہمی مناسبت ملاحظہ ہو حضور اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں :

"ان اللہ لم یبعثنی مُعَنِّتاً ولا متعنّتاً ولٰکن بعثنی مُعلّماً مُیسّراً۔

"خدا نے مجھ کو مشقت میں ڈالنے والا نہیں بلکہ آسانی پیدا کرنے والا معلّم بنا کر بھیجا ہے"

الفاظ کے تناسب اور ان کے صوتی اثرات کا احادیث میں کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے وہ ایک تفصیلی مطالعہ کا موضوع ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں مفاہیم کی بجلیاں تڑپتی کوندتی محسوس ہوتی ہیں، ملاحظہ ہو :

" لا تُوکِی فیوکیٰ علیکَ "۔(روکو مت، تم سے روک لیا جائے گا)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ لوگوں کا حال بس ایسا ہے جیسے سو اونٹ میں بآسانی کوئی ایک اونٹ بھی سواری اور باربرداری کے لائق نہیں ملتا۔

ایک حدیث میں تمام اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ایک جملہ میں ملاحظہ ہو :

" أَلا فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم وأدّوا زکوٰة اموالکم و تحجّوا بیت ربّکم و اطیعوا ولاة أمرکم "۔

غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کلام نے احادیث خطبات اور مکتوبات کے ذخائر کو عربی زبان وادب کا ایک بیش قیمت سرمایہ بنا دیا ہے۔ اس سے نہ صرف عربی ادب کی توقیر میں اضافہ ہوا ہے، بلکہ عالمی سطح پر حضورؐ کے حکمت و بلاغت سے لبریز کلام نے نوع انسانی کو شائستگیٔ کلام اور تہذیب گویائی عطا کی ہے اور یہ بات ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک روشن حقیقت بن گئی ہے کہ تمام ادبی التزامات اور تکلفات کے باوجود اگر کلام فقط انانیت اور تسکین نفس کے لیے ہو تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا اور اپنی تمام تر سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی کے باوجود اگر کلام میں حکمت و موعظت کی چنگاریاں موجود ہوں تو اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر محمد اقبال حسین ندوی
شعبۂ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش
اینڈ فارن لنگویجز۔حیدرآباد

حدیث نبوی کا ادبی مُطالعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام انسانوں میں افضل اور برتر ہے، آپؐ کی شخصیت کا ہر ایک پہلو جامع اور مکمل ہے، آپؐ کی تمام صفات تمام انسانوں سے ارفع و اعلیٰ ہیں، جو خامیاں اور کوتاہیاں دوسرے انسانوں میں پائی جاتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ان سے پاک ہے، آپؐ کی ذات دوسروں کے لیے چشم بصیرت اور چشمۂ نور و ہدایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر ایک گوشہ کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو آپؐ کی فکر و کاوش، عملی زندگی اور ارشادات و اقوال کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ادب اور زندگی کا اعلیٰ تصور اور فکر، افکار و معانی میں وسعت و گہرائی، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار، زبان و بیان اور اسلوب کی اعلیٰ جمالیاتی اوصاف کی مثال اس سے بہتر کہیں اور کسی کے کلام میں نہیں ملتی ہے معنوی اور لسانیاتی امتیازات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب بیان منفرد اور یگانۂ روزگار ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپؐ کے کلام کا ایک ایک جملہ معانی کا در گہوارشہ پارہ، اور بلاغت کے اعتبار سے حُسن و جمال کا عکس و آئینہ ہے، اور آپؐ کا کلام تمام تر جامع و مانع ہے، اس میں فنی اعتبار سے کمی و زیادتی کی گنجائش نہیں ہے، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے پورا کا پورا کلام اعلیٰ معیار پر ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے علاوہ کسی بھی ادیب اور فنکار کے کلام کو یہ خوبی حاصل نہیں ہے۔ یہ آپؐ کے کلام کا امتیازی وصف ہے جو سب سے نمایاں ہے۔

ادب زندگی کا آئینہ ہے اور زندگی کی تفسیر و تعبیر ادب میں کی جاتی ہے۔ حیات انسانی کی روح ادب میں پائی جاتی ہے، ادب کے بغیر زندگی کا تصور اور زندگی کے بغیر ادب کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب میں زندگی کا جس انداز میں

اظہار کیا گیا ہے، کوئی ادب اس سے بہتر اظہار کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے اور ایسا ادب جو زندگی کی بھرپور عکاسی کرتا ہو اور جمالیاتی احساس کی بھرپور علامت اس میں موجود ہو، ادب برائے زندگی کے عام فلسفیانہ نظریہ سے بلند ہو کر حقیقی زندگی کے حقائق سے پُر از معلومات افکار و خیالات، زندگی کی جزئیات، شب و روز کے مسائل و معاملات انفرادی و اجتماعی زندگی کی تمام تفصیلات کی تعبیر و تشریح میں روحانی مسرت کی تلاش، جمالیاتی اقدار کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادبی شہ پارہ سے زیادہ بہتر طور پر کسی اور ادب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ نبی کریمؐ کی فکر و زبان دونوں پر وحی الٰہی قرآن کریم کا اثر ہے۔ ایک حسین زندگی، پُر بہار و پُر کیف زندگی، پاکیزہ زندگی، روحانیت اور طمانیت سے لبریز زندگی، عمل اور تخیل کی پابند زندگی کا جو تصور قرآن کریم نے دیا ہے، احادیث نبوی میں اس کی وسیع ترجمانی موجود ہے، اس میں اجمال کی تفصیل پائی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں اقوال میں انسانی زندگی کے تمام جزئیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ زندگی کا کون سا وصف ہے جس کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

احادیث نبوی کے تمام ذخیرے اسی ادبی وصف کے حامل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال نظام زندگی کے لیے قوانین کی حیثیت رکھتے ہیں، عام انسان کے قانون کی کسی عبارت کو ادبی شہ پارہ کا درجہ نہیں دیا جاتا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں فصاحت و بلاغت اور شگفتگی و رعنائی کی ایسی مثال پائی جاتی ہے اور نظام زندگی کے اصول بیان کرنے کے ساتھ انسانی اخلاق و شرافت کے معیار کو بلند کرنے اور انسان کی شخصیت، حسن عمل سے حسن و دل آویزی پیدا کرنے کی ایسی سخن دلنوازی پائی جاتی ہے کہ زندگی اور جمالیاتی اقدار کی اس سے بہتر حسین امتزاج کہیں ملنا دشوار ہے، جن جملوں میں اصول زندگی بیان کئے گئے ہیں وہ جملے بھی فنی ادب کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔ مثال کے طور پر چند جملے ملاحظہ ہوں، آپؐ نے فرمایا:

"ان اللہ جمیل یحب الجمال ویحب أن یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہ ویبغض البؤس والتباؤس" (البیہقی)

"اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال (حُسن) کو پسند کرتا ہے، اور یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے بندہ میں بھی اس کا نقش دیکھے اور اللہ تعالیٰ تنگی اور اظہارِ تنگی کو ناپسند کرتا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ان اللہ تعالیٰ جمیل، یحب الجمال، ویحب معالی الاخلاق ویکرہ سفسافھا۔" (الطبرانی فی الأوسط)

"اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال (حُسن) کو پسند کرتا ہے اور بلند اخلاق کو پسند کرتا ہے اور فضول باتوں کو ناپسند کرتا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ان خیارکم أحسنکم أخلاقاً۔" (البخاری)

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ان من خیرکم احسنکم خُلُقاً۔" (البخاری)

"تم سب میں سب سے بہتر وہ ہے، جس کا اخلاق سب سے بہتر ہے۔"

یہ کئی مختصر جملے ہیں، لیکن ادبی اعتبار سے ان پر غور کریں تو انسانی زندگی کی وسیع معلومات ان سے حاصل ہوتی ہیں، اور اس سے انسان کا احساس وشعور ادراک حاصل کرتا ہے، یحب أن یری أثر نعمتہ علیٰ عبدہ کا جملہ انسان کی پوری نفسیات اور نفسیاتی کیفیت پر مثبت انداز میں اور اس کے بعد کا جملہ منفی انداز میں روشنی ڈالتا ہے اور بتاتا ہے کہ بذاتِ خود انسان کیا ہے، اور اسے کیا ہونا چاہیئے؟ انسان خیر کا طالب اور حُسن وجمال کا ذوق رکھتا ہے تو اس کا عقیدہ، فکر اور عمل کس انداز کا ہونا چاہیئے؟ اس میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، جملہ مختصر ہے، پیرایۂ بیان سادہ ہے لیکن اس کے معنی کی وسعت پر غور وفکر اور عمل انسان کو انسانیت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کرسکتا ہے۔

یہ جملے انّ خیارکم أحسنکم اخلاقاً اور انّ من خیرکم احسنکم

خُلُقاً بھی مختصر اور سادے ہیں، لیکن اپنی معنویت کے اعتبار سے ادبی شہ پارے ہیں، ان جملوں میں انسانی اقدارِ حیات کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے، ایک انسان کے لیے نہایت اہم ہے، ان جملوں سے معاشرے کی روح، اس کا احساس جمال، خیر و شر کے تصوّرات، اس کے تجربات و مشاہدات، حقیقت اور فریب، حُسن و جمال کے ساتھ ظاہر ہو کر سامنے آجاتے ہیں، سیرت و کردار انسانی زندگی کی روح ہے اور انسان میں شعور و آگہی پیدا کرنا ادب کا بنیادی منصب ہے، ان دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں جملوں پر غور کریں تو یقیناً یہ دونوں جملے ادبی ٹکڑے ہیں۔

اخلاق کا لفظ انسانی کردار کے مثبت پہلو کو بیان کرتا ہے اور انسانی کردار کے یہ اوصاف اس میں شامل ہوتے ہیں۔ سچائی، شجاعت، بہادری، شرافت، عزتِ نفس، تواضع و خاکساری، عظمت، بلند ہمتی، عفو و درگذر، رحم دلی، حکمت و موعظت، وقار، صبر و قناعت، پرہیزگاری، شرم و حیا، سخاوت، عفّت و پاکیزگی، رموز و اسرار کی حفاظت، ایثار و قربانی وغیرہ۔

اس لفظ اخلاق کے منفی پہلو میں ریا، غیبت، چغل خوری، دھوکہ، فریب، بیوقوفی، جھوٹ، جہالت، نادانی، مکر، خیانت، غُصّہ، کینہ، حسد، شرارت، بُزدلی، کمزوری، گھمنڈ، تکبّر، کاہلی، سُستی، لالچ، افشارِ راز اور فسق و فجور شامل ہیں۔

اخلاق کے مثبت پہلو پر عمل اور منفی پہلو سے اجتناب، ان دونوں پہلوؤں کو انسانی کردار سازی کے لیے سامنے رکھیں تو انسانی زندگی کا جو معاشرتی معیار ہوگا، کوئی دوسرا ادب انسانی معاشرہ کی تعمیر کے لیے اس سے زیادہ بلیغ ادب نہیں پیش کر سکتا ہے۔ اس طرح کے ہزاروں شہ پارے ادب نبوی میں موجود ہیں، ان شہ پاروں سے زیادہ زندگی کی تعبیر اور بہتر معلومات کوئی ادب فراہم نہیں کر سکتا ہے۔

پروفیسر جمیل جالبی نے ادب کے متعلق تحریر کیا ہے:

"شعور کے بغیر انسان، دو پیروں پر چلنے کے باوجود انسان نہیں

ہوتا، شعور ہی دراصل وہ چیز ہے جس سے انسان زندگی کی دھڑکن محسوس کرتا ہے، نئے نئے خواب دیکھتا ہے، اور اَن دیکھی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے نئی تمنائیں کرتا ہے، ادب اس عمل میں سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے اور ایسی دنیاؤں میں لے جاتا ہے جو حقیقی دنیا سے زیادہ حقیقی ہوتی ہیں، مارسل پروست نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "ہماری اصل زندگی ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہے، ادب کا کام یہ ہے کہ وہ اسے ہمارے سامنے لائے، اس طرح خود ہمیں ہم سے واقف کرادے" اس شعور کے ذریعہ ہم ایک نیا جنم لیتے ہیں ادب یہی کام کرتا ہے"

(نئی تنقید ص ۲۷۷۔۲۷۸)

گرچہ ادب کے متعلق یہ فکر و خیال ایک انسانی ذہن کی پیداوار ہے، لیکن جمیل جالبی نے ادب کے متعلق جن حقائق کا اظہار کیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادبی شہ پارے پر پورا اُترتا ہے۔ انسانی شعور کو بیدار کرنے کا جتنا اہم کام ادب نبوی نے کیا، دنیا کے کسی ادب نے نہیں کیا۔ اور ادب نبوی نے اصل زندگی کے حقائق کو جس طرح دنیا کی نظروں کے سامنے پیش کیا، دنیا کے کسی ادب نے زندگی کے ان حقائق سے انسان کو واقف نہیں کرایا۔ واقعی ادب نبوی نے انسان کو نیا شعور عطا کیا اور اس نئے شعور نے انسان کو نئی زندگی عطا کی، ادب نبوی نے یہ کام ہر دور میں کیا ہے اور ادب نبوی کا مطالعہ جب بھی کیا جائے گا انسان کو نیا شعور، نئی آگہی اور انسانی زندگی کو نئی واقفیت ملے گی، اور انسان حقیقی دنیا سے زیادہ حقیقی دنیا کی طرف منتقل ہوگا۔

زندگی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور انسانی زندگی گوناگوں معاملات و حقائق سے وابستہ ہوتی ہے، زندگی کے ہر ایک لمحہ، ہر ایک پل میں انسان کا احساس سُرعت کے ساتھ مختلف کیفیات سے دوچار ہوتا ہے، خارجی عوامل اور داخلی جذبات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں، اظہار خیال کے مواقع بھی مختلف اور متنوع ہوتے ہیں، اس لیے انسان کے افکار و خیالات میں بھی بڑی وسعت ہوتی ہے، اور جو شخص انسانی لوازمات، احساسات،

معاملات اور زندگی کے لامحدود مسائل کا احاطہ کرتا ہے تو یقیناً اس کے ادب کا دائرہ بھی بہت وسیع ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے رہبر کامل بنا کر بھیجے گئے تھے ان کے ادب کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، زندگی کے ہر ایک پہلو پر محیط ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب انسانی نفسیات کی جس طرح تصویر کشی کرتا ہے اور آپؐ کے ہر ایک جملہ میں انسانی نفسیات کا جو پاس و لحاظ ہے کوئی ادب انسانی نفسیات اور اس کی کیفیات کا اس انداز سے احاطہ نہیں کرتا ہے، اور انسانی نفسیات کے لیے اس سے زیادہ موثر بھی نہیں ہے۔

زبان و بیان اور اسلوب پر شخصیت کا اثر ہوتا ہے، اسلوب سے شخصیت کی شناخت اور شخصیت سے اسلوب کی شناخت ہوتی ہے اور ادب کی کوئی پہچان اسلوب کے بغیر مکمل نہیں ہوتی ہے، اس لئے اسلوب ادبی اظہار کا ناگزیر حصہ ہے، اور کسی بھی ادب کے مطالعہ میں اسلوب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ سب سے بہتر اسلوب وہ ہے جو فی نفسہٖ ادبی اظہار کے وجود میں پیوست ہوتا ہے، محض حسن و دل کشی کا ذریعہ نہیں ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب، انداز بیان، طرز ادا، اور لب و لہجہ سے ادب نبوی کی شناخت جس قدر آسان ہے اور نبی کریمؐ کی شخصیت کا اثر آپ کے اسلوب پر جس قدر گہرا ہے کسی ادیب کے ادبی شہ پارہ کے اسلوب میں اس قدر واضح اثر اس کی شخصیت کا نہیں ملتا ہے، طرز ادا اور اسلوب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلام نبوت ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اس میں وحی الٰہی قرآن کریم کے بلیغانہ اسلوب کی جھلک پائی جاتی ہے بلاغت کا یہ اثر کسی انسان کے کلام میں نہیں پایا جاتا ہے، کلام نبوی کی خصوصیت ہے کہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے دنیا کے تمام انسانوں کے اسالیب سے اس کا اسلوب جداگانہ اور منفرد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے خود "افصح العرب" کے الفاظ استعمال

کئے، عربی زبان بولنے والوں میں آپؐ سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی ہوا اور نہ آپؐ کی فصاحت کے معیار تک پہنچ سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ کی پرورش و پرداخت ایسے قبیلے میں ہوئی، جن کی زبان ٹکسالی، اور جن کی زبان کو تمام قبائل عرب میں اعلیٰ معیار حاصل تھا، نبی کریمؐ قبیلہ بنی ہاشم میں پیدا ہوئے، آپ کا ننہیال قبیلۂ بنی زہرہ میں تھا، آپ کی رضاعت بنی سعد بن بکر میں ہوئی، آپ قبیلۂ قریش میں پروان چڑھے اور قبیلۂ بنی اسد میں شادی کی اور قبیلۂ بنی عمرو میں ہجرت کی، قبیلۂ قریش اور قبیلۂ بنی سعد کی زبان کو چاشنی، دل آویزی، شیرینی اور اظہار بیان کے لیے سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، اس لیے نبی کریمؐ کی زبان، لہجہ اور طرز ادا میں غیر معمولی فصاحت پائی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "انا افصح العرب، بید أنی من قریش و نشأت فی بنی سعد بن بکر" (میں تمام عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں، اس لئے کہ میرا تعلق قریش سے ہے اور میں بنی سعد بن بکر میں پروان چڑھا)۔

خاندان، ماحول اور تہذیب کا اثر انسانی نفسیات پر پڑتا ہے اور نفسیات کا اثر انسان کی زبان اور اسلوب پر پڑتا ہے، نبی کریمؐ کی زبان اور اسلوب پر بھی اس کا اثر پڑا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب میں انفرادیت اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہونے کی دو وجہیں ہیں، ایک تو کلام الٰہی کے نزول کی وجہ سے اور دوسرے ایسے ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے جس کی زبان اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد تھی، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو غیر معمولی فصاحت عطا کی تھی، اور آپؐ کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی تھی کہ آپؐ کی زبان اور آپؐ کا اسلوب شیرینی، دلآویزی، شگفتگی، الفاظ کے استعمال، ترکیب اور تہذیب کے اعتبار سے تمام اہل زبان سے برتر ہو تاکہ مخالفین کسی قسم کی عیب جوئی نہ کرسکیں، آپؐ کے اسلوب کی فصاحت نے تمام اہل زبان کو متاثر کیا۔ آپؐ کے گفتار، طرزِ تخاطب، اندازِ بیان اور اسلوب کی چاشنی، اور اثر آفرینی کا اعتراف سب نے کیا۔ اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

"لقد طفت فی العرب وسمعت فصحاءھم، فما سمعت أفصح منك، فمن أدبك"۔

"میں نے عربوں میں چکّر لگایا اور ان کے فصحاء کے کلام کو سُنا لیکن آپؐ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا۔ تو کس نے آپ کو ادب کی تعلیم دی"۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ادّبنی ربی فأحسن تأدیبی"۔

"میری تربیت میرے رب نے کی اور بہترین تربیت کی"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شخصیت کی تعمیر اور جن کے اخلاق و اعمال اور نفسیات کی تادیب و تہذیب اللہ تعالیٰ نے کی ہے ان سے بہتر ادیب اور بلیغ کسی کے ہونے کا سوال نہیں ہے۔ آپؐ کے کلام میں نہ تکلّف ہے نہ ہی اس میں بالقصد حُسن و دلکشی پیدا کی گئی ہے، خاص طور پر لسانی سجاوٹ اور زینت سے بھی کام نہیں لیا گیا ہے۔ اسلوب میں ادبی حُسن کاری کے لیے فنکاری یا صنعت گری سے کام لیا گیا ہو اس کی بھی مثال نہیں ملتی ہے۔ الفاظ اور معانی میں ایک توازن اور تناسب ہے کسی فکر و خیال کے ادا کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، الفاظ اور تراکیب کا اس سے بہتر استعمال نہیں ہو سکتا ہے، انسانی زندگی کے اعلیٰ اقدار کی ترجمانی اور صحیح تعبیر کے لیے ایسے مناسب الفاظ کا برمحل استعمال کیا گیا ہے کہ معانی کی رعایت، لفظ کا موقع و محل داخلی توازن و ہم آہنگی اور غیر معمولی حسین انداز بیان کے اعتبار سے اس سے بہتر اسلوب کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ زبان اور الفاظ کے استعمال پر نبی کریمؐ کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی، آپ نے مختصر الفاظ میں معانی کے جوہر پرو دیئے ہیں، آپؐ نے انسانی نفسیات اور اصول زندگی کے جس عنصر کا اظہار جب چاہا، معانی کے ساتھ الفاظ سانچے میں ڈھلتے ہوئے چلے آئے، زبان کی نزاکت اور اس کے رموز و اسرار کی گہری واقفیت رکھنے کی وجہ سے آپ کو الفاظ کے استعمال میں کسی تأمل یا تفکر کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اس میں

آمد ہی آمد ہوتی آورد کا کوئی سوال نہیں، اسی لیے مصطفیٰ صادق الرافعی نے کہا:

"کأنما وضع یدہ علی قلب اللغۃ ینبض تحت اصابعہ"

(تاریخ آداب العرب ۲/ ۳۰۲)

"آپؐ اپنا ہاتھ زبان کے دل پر رکھتے اور وہ آپؐ کی انگلیوں کے نیچے دھڑکنے لگتا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام عام طور پر مختصر اور جامع ہوتا تھا، مختصر جملہ اور چند الفاظ میں پوری بات کہہ دیتے تھے، اس لیے اکثر و بیشتر کلام میں الفاظ کی قلت کے باوجود معانی میں وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے، اس کی وجہ سے کلام میں کوئی تعقید، پیچیدگی اور تکلف بالکل نہیں ہے، معانی اور افکار بالکل واضح ہوتے ہیں، کلام میں نہ تو مبالغہ ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا اختصار پایا جاتا ہے کہ جس سے بات واضح نہ ہو۔ موقع و مناسبت سے کلام کو طول بھی دیتے تھے، لیکن اس طول میں بھی الفاظ نپے تلے استعمال کرتے تھے، غیر ضروری الفاظ سے گریز کرتے تھے، یہ سب کچھ آپؐ کے کلام میں فطری طور پر بغیر کسی تصنع کے پائے جاتے ہیں۔ جاحظ نے نبی کریمؐ کے اسلوب کی خصوصیات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

"وہ ایسا کلام ہے جس میں حروف کم ہیں، اور معانی زیادہ ہیں۔ صنعت گری سے بالاتر ہے، تکلف سے پاک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محمدؐ! کہہ دیجئے، "میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں" اور یہ کیسے ہو سکتا تھا جب کہ آپ نے بہ تکلف فصاحت پیدا کرنے کو عیب شمار کیا ہے اور صحیح تلفظ کرنے والوں کی موافقت کی، اور آپؐ نے تفصیل کے موقع پر تفصیل سے کام لیا، اور اختصار کی جگہ اختصار سے کام لیا، نادر نامانوس الفاظ کا استعمال نہیں کیا، خراب سوقیانہ الفاظ سے روگردانی کی، آپ نے محض حکمت کی بات کی، اور آپ نے پاکیزہ خیالات کا احاطہ کیا.....

لوگوں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا جو نبی کریمؐ کے کلام سے زیادہ نفع بخش

ہو، اور الفاظ کے اعتبار سے اس سے زیادہ سچے ہو، ہم آہنگی کے اعتبار سے اس سے زیادہ معتدل ہو، حسن و دل آویزی کے اعتبار سے اس سے زیادہ خوبصورت ہو، مقصد کے اعتبار سے اس سے زیادہ مفید ہو، موقع و محل کے اعتبار سے اس سے زیادہ بہتر ہو، ادائیگی کے اعتبار سے اس سے زیادہ آسان ہو، معانی کے اعتبار سے اس سے زیادہ فصیح ہو اور مضمون کے اعتبار سے زیادہ واضح ہو۔"

(البیان والتبیین، ص ۲۲۱)

جاحظ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے متعلق جو کچھ تحریر کیا اور ادبی و فنی خوبیوں کی غیر معمولی قدر و قیمت کا جس انداز میں اظہار کیا تو اس نے یہ محسوس کیا کہ جس کی علمی بصیرت میں کمی ہے، اور جس کا ادبی ذوق نہیں ہے اس کے ناقدانہ تبصرہ کو مبالغہ پر محسوس کر سکتا ہے اس لیے جاحظ نے یہ بھی تحریر کیا ہے :

"ولعل بعض من لم یتسع فی العلم، ولم یعرف مقادیر الکلام، یظن ان تکلفنا له من الامتداح والتشریف، ومن التزیین والتجوید، ما لیس عنده ولا یبلغه قدره، کلا والذی حرم التزید علی العلماء، وقبح التکلف عند الحکماء، وبهرج الکذابین عند الفقهاء، لا یظن هذا الا من ضل سعیه۔" (البیان والتبیین، ص ۲۲۲)

"شاید کہ جس کا علم محدود ہے اور جو کلام کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہم نے اس کی تعریف اور اس کی قدر و قیمت کی عظمت بیان کرنے میں اس کو بہتر سمجھنے اور بہتر بنا کر پیش کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اور ہم نے اس کی قدر و قیمت سے بڑھ کر اس کی تعریف کی ہے، واقعہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اس لیے کہ کسی چیز کی قدر و قیمت بڑھا کر بیان کرنا اہلِ علم کے لیے حرام ہے، اور حکماء کے نزدیک تکلف بری چیز ہے، فقہاء جھوٹے شخص کو راہ راست سے الگ سمجھتے ہیں، اس طرح کا گمان

تو صرف اس شخص کے لیے کہا جا سکتا ہے جو اپنی محنت رائگاں کرتا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نے بذات خود نہ تحریر اور نہ تالیف کی، اس لیے کسی تکلّف، تراش و خراش اور فنی معیار کی بلندی کے لئے بار بار کی تنقیح کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی، اس کے باوجود آپؐ کا کلام بلاغت کے اس معیار پر ہے کہ اس میں فنّی اعتبار سے کسی تنقیح اور تزئین کی گنجائش نہیں ہے۔ فطری ذوق اپنی پوری تاثیر کے ساتھ کلام میں کارفرما ہے، اور یہ بھی کوئی عارضی یا کلام کے کسی حصہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ پورے کلام میں پوری قوت اور موثر انداز میں نزاکت حُسن کے ساتھ پایا جاتا ہے، بلاغت کی اس جمالیاتی کیفیت کی عکاسی حقیقی، فطری اور مکمل انفرادی شکل میں نظر آتی ہے۔

یہ نبوت کا اعجاز ہے جو اس درجہ کی بلاغت اور جمالیاتی کیفیت کلام نبوی میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں عام انسان کی ذہنی پیچیدگی اور غموض نہیں ہے، کلام نبوی میں حکمت و موعظت، فکر و تدبّر، انسانی زندگی کے مسائل و معاملات کی توضیح و تشریح اور فلسفۂ زندگی کی باتیں ہونے کے باوجود فلسفیانہ اسالیب جو تصنع اور غموض کے حامل ہوتے ہیں ان سے کلام نبوی خالی ہے، ان میں الفاظ کی صنعت گری نہیں ہے بلکہ عام انداز بیان ہے، لیکن اس انداز بیان میں عامیانہ پن نہیں ہے، عام فہم ہونے کے باوجود بھی زبان میں شائستگی اور فکری بلندی ہے۔

بلاغت نبوی کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ ہر ایک لفظ کسی حقیقت کی تعبیر ہے یعنی ہر ایک لفظ بذات خود ایک حقیقت کا اظہار ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی لفظ ہو زبان کا لفظ نہ ہو کر وہ حقیقت کا لفظ بن گیا ہے، اور وہ حقیقت کا عنوان ہے کلام نبوی کی تعبیر میں کوئی لفظ اضافی نہیں ہے جو کلام انسانی اور اس کی بلاغت کا بسا اوقات امتیاز ہوتا ہے، مصطفیٰ صادق الرافعی نے تحریر کیا ہے:

"ولقد رأينا هذه البلاغة النبوية العجيبة قائمة على أن كل لفظ هو لفظ الحقيقة لا لفظ اللغة، فالعناية

فیها بالحقائق، ثم الحقائق هی تختار الفاظها اللغویة علیٰ منازلها، وبذلك یأتی الکلام کأنه نطق للحقیقة المعبّر عنها، والکلمة الصادقة تنطق مرة واحدة، فصورتها اللغویة لاتکون إلاصریحة متکشفة عن معناها المضیٔ کأنما ألقی فیها النور"۔ (وحی القلم ۳/ ۱۹)

"ہم نے نادر روزگار بلاغت نبوی کو اس طرح پایا کہ اس کا ہر ایک لفظ حقیقت کا لفظ ہے نہ کہ زبان کا لفظ ہے، اس میں حقائق کی ترجمانی کی گئی ہے، یہ حقائق اپنے معیار کے اعتبار سے اپنے الفاظ کا انتخاب کر لیتے ہیں، اس کی وجہ سے کلام ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حقیقت خود اپنا اظہار کرتی ہے اور سچی بات ایک مرتبہ کہی جاتی ہے، اور ایک ہی بار میں اس کی لغوی کیفیت سے اس کے واضح معانی اس طرح سامنے آجاتے ہیں جیسے اس میں نور کی کرن ہو"

صاحب طرز ادیب یا اہل زبان، زبان کے استعمال میں جدّت اور ابتکار سے کام لیتے رہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، اہل قریش میں سے تھے، افصح البلغاء تھے، آپؐ نے بھی کئی تعبیرات اور ترکیبیں ایجاد کیں، یہ آپؐ کا حق تھا، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دین کی تفہیم و تشریح کے لیے، نئے مضامین اور نئے موضوعات کی وضاحت اور حسن تعبیر کے لیے نئی نئی ترکیبیں ایجاد کرنے کی قدرت عطا کی، اور آپؐ نے ایسی خوب صورت ترکیبوں اور تعبیرات کا استعمال کیا کہ عربی زبان کے سرمایہ میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، اور بلاغت کے لیے نئے امکانات روشن ہو گئے، آپ نے بہت سے الفاظ کو نئے معانی پہنائے، نئے معانی میں حسن استعمال کی وجہ سے اہل عرب نے مستحسن سمجھ کر قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا وضع کرنا اور اس کا اشتقاق ایک فطری بات اور زبان کا فطری ارتقاء سمجھا گیا۔ مثلاً سبل الإزار، الآت حمی الوطیس جیسی تعبیرات وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قادر الکلامی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپؐ کو دوسرے قبائل کے الفاظ، جملے اور تعبیرات پر بھی قدرت تھی، آپ نے دوسرے قبائل کے افراد سے گفتگو کے وقت ان ہی کی تعبیرات اور لہجے میں گفتگو فرمائی، اور وہ خطوط جن کو مختلف سربراہوں کے پاس ارسال کیے، ان کی زبان اور تعبیرات میں ہی املا کرایا۔ اس کے باوجود عمدہ طرز تعبیر کی وجہ سے فصاحت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی ہے، نہ اسلوب میں خامی اور نہ ہی الفاظ غیر مانوس محسوس ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے کلام میں اسلوب کی یکسانیت نہیں ہے۔ اس کی وجہ موضوعات کا تنوع اور انسانی اقدار کے تمام مسائل کا احاطہ ہے جو عام انسان یا ادیب کے ذہن وقلم کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کسی ادیب کی کسی عبارت کے اسلوب سے واقفیت کے بعد عام طور پر اس کے اسلوب کی نشان دہی آسان ہے، لیکن کلامِ نبویؐ میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ اسالیب میں بھی تنوع پایا جاتا ہے، مگر ہر ایک انداز بیان میں بلاغت کی چاشنی اور دل آویزی موجود ہے، چاہے کوئی مسجع ومقفیٰ عبارت ہو یا کلام مرسل ہو، کوئی تمثیل ہو، کوئی قصہ برائے عبرت ونصیحت ہو، شب وروز کے معمول کی باتیں ہوں، یا دِ الٰہی کے کلمات ہوں، دار فانی اور دار آخرت کے تذکرے ہوں، انسانیت کی بہی خواہی اور فلاح وبہبود کے سبق آموز الفاظ ہوں، بلاغت کی شیریں بیانی ہر ایک میں ہے۔ اسلوب میں وقار، سنجیدگی، دریا کی روانی، خرام بلکہ مخرام کی کیفیت، حکمت وموعظت کے معانی پوشیدہ، مومنانہ اظہار تشکر اور نعمت لازوال کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے، اس سے نور کی کرن پھوٹتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ہم اپنے عصری فلسفہ اور عصری ادب کی روشنی میں دیکھیں تو نبی کریمؐ کی ادبی حیثیت اور اس کا مرتبہ اور بھی بلند ہوجاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ابھی تازہ تازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے وارد ہوا ہے، تازہ شگفتہ پھول ہے، اس میں تازگی اور زندگی کی بشاشت محسوس ہوتی ہے۔ اس میں ایسی انسانیت نظر آتی ہے جو موجودہ دور کی خامیوں کی بھرپور نشان دہی کرتی ہے،

محبت اور عدل و مساوات کا پیکر، حکمت و موعظت اور نظامِ زندگی کی اساس اس میں موجود ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام آفاقی و دائمی ہے، زمان و مکان کے حدود سے بالاتر ہے، حیاتِ انسانی کے حسن کی جلوہ گری سے معمور ہے، کلامِ نبوی میں اس سرزمین کی تاریخ پر ایک نئی ادبی روح نظر آتی ہے، اور وہ ایک ایسا روشن منارہ ہے، جس سے علم و ادب کا چمن روشن ہے، اس میں قوت، حلم اور حقیقت کی اہم خوبیاں موجود ہیں۔

آپؐ کا کلام ایک باغ ہے جو روح کو تازگی بخشتا ہے اور نئی زندگی عطا کرتا ہے، اور ایک ایسا پُر بہار حسین منظر ہے جو نفسِ انسانی میں ایک نشاط اور احساسِ مسرت پیدا کرتا ہے، اور ایک ایسا احساس و وجدان ہے جو حیاتِ نو بخشتا ہے، اس سے اطمینان و سکون اور طمانیت کی لذّت محسوس ہوتی ہے۔ جب ہم نبی کریمؐ کے کلام کی لذّت سے آشنا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیں نور اور روشنی عطا کی جاتی ہے اور اس سے ہمارے اندر انسانیت کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے، اور یہی خوبیاں اعلیٰ ادب کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

شمس تبریز خاں
استاذ شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی

جوامع الکلم کی ادبی و فکری معنویت

سید المرسلین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام جس طرح معنوی اور باطنی اہمیت رکھتا ہے اسی طرح وہ لسانی و بیانی قدر و قیمت بھی رکھتا ہے اور بلاغت و جامعیت کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لفظ و معنیٰ میں دوئی ہوتی ہی نہیں بلکہ ہر لفظ مخصوص معنی اور ہر معنی اپنا خاص لفظ رکھتا ہے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار یہی ہے کہ کسی مفہوم خیال کی ادائگی کے لیے موزوں اور مناسب ترین الفاظ استعمال کیے جائیں جو ادائے معنی اور اظہار مدعا کے لیے نہ کم ہوں نہ زیادہ، بلکہ جسم معنی پر لباس لفظ بالکل چسپاں ہو کہ دیکھنے والے یہ کہہ اٹھیں کہ ع:

جامۂ ہست کہ بر قامت او دوختہ است

اسی لیے اصحاب معانی و بیان اور ادا شناسانِ فصاحت و بلاغت نے کہا ہے کہ کلام بلیغ وہ ہے جو اطنابِ مُمل اور ایجازِ مُخل سے خالی ہو، ابن قدامہ کہتا ہے کہ طوالت اکتاہٹ کا باعث ہوتی ہے (الاطالة من اکثر اسباب الملالة)۔

اسی لیے صحف سماوی خصوصاً قرآن مجید کو ہم ایجاز و اختصار اور جامعیتِ الفاظ کا اعلیٰ نمونہ پاتے ہیں جن میں بڑے سے بڑے معانی و مفاہیم کو کم سے کم اور جامع و برگزیدہ الفاظ میں ادا کر دیا گیا یا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے، فن ایجاز میں حدیث نبوی کا درجہ اور مرتبہ قرآن مجید کے فوراً بعد ہے اور عربی زبان کے ممتاز ماہرین نے اپنی کتابوں میں اس کا کھل کر اعتراف کیا ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ نمونوں اور شاہکاروں سے بحث کرتے ہوئے لسانی و بیانی اعتبار سے فائق اور منتخب حدیثوں سے استشہاد و استدلال

کیا ہے اور اس کو معجزات اور خواص نبوت میں شمار کیا ہے اور کلامِ الٰہی سے تاثر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید متن ہے اور حدیث شریف اس کی شرح و تفسیر، قرآن "مثلہ معہ" کہہ کر اسے اپنا مثل قرار دیتا ہے اور کئی بار اسے حکمت سے تعبیر کیا ہے جیسے فرمایا گیا:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (۱)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ علم دیا ہے جو آپ جانتے نہ تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

منصب و مقامِ نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے بھی آپؐ کی تعلیمات کو حکمت بتایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۲)

وہی ہے جس نے ناخواندوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اور حدیث شریف کی اہمیت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پیغمبر کا کلام حدیثِ نفس نہیں بلکہ وحیِ خفی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (۳)

اور وہ نبی اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے بھیجی ہوئی۔

منصب نبوت میں پیغام خداوندی کی موثر اور بلیغ ترجمانی بھی شامل ہے جس کی طرف قرآن میں کئی جگہ اشارہ کیا گیا ہے:

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۴)

جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے پیغام کو کھول کر پہنچانا ہے

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا (۵)

اور آپ انھیں نصیحت کریں اور ان سے موثر گفتگو کریں

---

(۱) النساء، ۱۱۳ (۲) الجمعۃ، ۲ (۳) النجم، ۳، ۴ (۴) المائدہ، ۹۲
(۵) النساء، ۶۳۔

رسول اللہؐ کی فصاحت اور جوامع الکلم کا امتیاز

انا افصح العرب (میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں) کہہ کر آپؐ نے اس عطیۂ الٰہی کا اعتراف بھی کیا اور عربی بلاغت کے تمام ماہرین نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا امتیاز تسلیم کیا اور اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراجِ بلاغت بھی حاصل ہے کہ ان کا کلام اختصار و ایجاز، جامعیت و معنویت کا بھی اعلیٰ ترین شاہکار ہے جسے بلاغت کا آخری معیار اور نقطۂ عروج قرار دیا جاتا ہے۔

اپنے کلام بلاغت نظام کے اس پہلو کی طرف بھی آپؐ نے اشارہ فرمایا(۶) کہ مجھے جوامع الکلم عطا ہوئے ہیں اعطیت جوامع الکلم۔

حدیث نبوی کی ادبی اہمیت پر تفصیل سے لکھنے والے اہل قلم استاذ محمد بن لطفی الصباغ نے فن ایجاز کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قدیم و جدید تمام ناقدین ایجاز کی اہمیت اور عربی میں اس کی فضیلت اور قوتِ تاثیر کے قائل ہیں اور ان کے خیال میں اس پر فصیح ترین لوگ ہی قادر ہوتے ہیں ان کے متعدد اقوال سے اس کی اہمیت ثابت ہوتی ہے جیسے وہ کہتے ہیں کہ ایجاز ہی بلاغت ہے ..... ایجاز کے لیے حدتِ ذہن، شدتِ احساس، مفردات کے کامل علم اور مخاطبین کی نفسیات کا شعور ضروری ہے اور یہ تمام باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح حاصل تھیں۔"(۷)

جاحظ کا اعتراف و اقرار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی فصاحت و بلاغت کے اعتراف میں تو عربی

---

(۶) صحیح بخاری کتاب الاعتصام، اس حدیث کی تخریج مسلم نے کتاب المساجد میں دارقطنی نے سنن میں، بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابویعلی نے مسند میں اور سیوطی نے جامع صغیر میں بھی کی ہے۔ (۷) الحدیث النبوی، محمد الصباغ ص ۱۰۶، (دمشق، ۱۹۷۷ء)

زبان وادب کے ماہرین شروع سے آج تک رطب اللسان ہیں لیکن عربی زبان و بیان کے ماہر خصوصی اور امامِ ادب جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی ادبی وفنی اہمیت خصوصاً جوامع الکلم کی تاثیر وافادیت کا جس کھلے دل سے اعتراف واقرار کیا ہے وہ ایک معتبر شہادت اور تحسین سخن شناس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جاحظ نے بلاغتِ نبوی پر اپنے دیگر رسائل میں بھی بحث کی ہے، البیان میں اس کا بیان ملاحظہ ہو جو اس نے منتخب احادیثِ نبویہ کی اولیت وانفرادیت کے بارے میں دیا ہے، وہ لکھتا ہے:

وسنذکر من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم یسبقہ الیہ عربی ولا شارکہ فیہ اعجمی ولم یدع لاحد ولا ادعاہ احد مما صار مستعملا ومثلا سائرا (۸)

"اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ ایسا کلام ذکر کریں گے جس کو نہ کوئی عرب پا سکا تھا اور نہ اس میں کوئی عجمی شریک ہو سکا تھا اور اس جیسے کلام کا دعوی کسی کے لیے کیا گیا نہ کسی نے ایسا دعوی کیا اور وہ کلام مروج اور ضرب المثل کی حیثیت پا چکا ہے"

جاحظ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ عرب جیسی فصیح قوم میں رسول اللہ اگر کوئی غیر فصیح بات کہتے تو ان کے مخالف ادیب وشاعر اسے اپنے مخالفانہ پروپیگنڈے میں شامل کر لیتے لیکن ان کو کوئی ایسا موقع نہ مل سکا۔ پھر آگے چل کر جاحظ نے احادیث جوامع الکلم کی فنی خصوصیات سے بحث کرتے ہوئے رسول اکرمؐ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

"اب ہم اس کے بعد آپ کے کلام میں سے کچھ اور نمونۂ فن پیش کرتے ہیں) کلام نبوی ایک ایسا کلام ہے جس کے حروف کی تعداد تو قلیل ہے مگر اس کے معانی کی مقدار کثیر ہے، یہ تصنع سے بلند تر اور تکلف سے منزہ ہے، یہ کلام تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دیجیے کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بھلا کیوں نہ ایسا ہوتا جب کہ آپ نے باچھیں پھاڑ کر بات کرنے کو معیوب قرار دیا اور گلے کی گہرائی سے آواز نکالنے والوں سے کنارہ کشی کی ہے، آپؐ بات کو پھیلانے کے موقع پر بات کو پھیلاتے اور مختصر بات کی

(۸) البیان والتبیین للجاحظ، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، ص ۲/۱۵ (بیروت، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء)

جگہ مختصر بات ہی کرتے تھے، آپ انوکھے اور نامانوس الفاظ کو ترک کرتے اور ردی و بازاری الفاظ سے نفرت کرتے تھے، آپ کا کلام کیا تھا سراپا حکمت و دانش کی میراث تھی، آپ کی گفتگو کو حفاظت خداوندی اپنے جلو میں لیے ہوئے تھی، اس کلام کی تعمیر کو تائید الٰہی اور توفیق ربانی کی سہولت میسر تھی، یہ کلام نبوی ایسا کلام ہے جس میں اللہ نے محبت کی رنگت نکھار دی ہے اور اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا ہے، اس میں ہیبت کے ساتھ شیرینی و حلاوت اور حسن افہام کے ساتھ قلتِ کلمات ایک ساتھ نظر آئے گی، یہ کلام دہرانے یا اعادہ کرنے سے مستغنی ہے اور اسے سننے والا بار بار دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اس کلام میں سے نہ تو کوئی لفظ ساقط نظر آتا ہے اور نہ اس میں خطیب کی کوئی لغزش یا نظر آتی ہے، نہ تو اس کی حجت باطل ہوئی نہ اس کے مقابلے میں کوئی دشمن ٹھہرا اور نہ اسے کوئی خطیب لاجواب کر سکا۔

بلکہ وہ مختصر جملوں سے طویل خطبات پر برتری حاصل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کلام میں دشمن کو کسی ایسی بات سے لاجواب نہیں کیا جسے وہ جانتا نہ ہو، اس کی دلیل سراپا صدق ہے اور اس کی کامیابی کا راز صرف حق ہے اس میں نہ تو لطافتِ کلام سے دھوکہ دینے کی کوشش نظر آتی ہے اور نہ چالاکی کا سہارا لیا جاتا ہے، اس میں نہ تو کسی کی غائبانہ عیب جوئی پائی جاتی ہے نہ موجودگی میں کسی کی نکتہ چینی نظر آتی ہے، اس میں نہ تو سست روی ہے اور نہ جلد بازی، اس میں نہ اسہاب (اتنی باتیں کرنا کہ پلے کچھ نہ رہے) ہے اور نہ حصر (بالکل بات کر ہی نہ سکنا) ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے علاوہ کوئی ایسا کلام کبھی نہیں سنا جو اس قدر زیادہ نفع بخش، لفظی لحاظ سے اس قدر حسین و جمیل، مقاصد کے لحاظ سے اتنا محترم، اثر میں اتنا خوبصورت، ادائیگی میں اس قدر آسان، معنی کو اس قدر کھول کر بیان کرتا ہو اور جس میں مدعا اس قدر واضح کیا گیا ہو۔" (۹)

---

(۹) ترجمہ بتغیر یسیر ماخوذ از "فصاحت نبوی" از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ص ۲۰۶، ۲۰۷ (دہلی ۱۹۸۸ء)

بلاغتِ نبویہ کی فنی خصوصیات کے اس تعارف کے بعد امیر البیان جاحظ اس کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ اس کے اس بیان کو سادہ عقیدت اور مبالغہ پر مبنی نہ سمجھا جائے بلکہ یہ خالص حقیقت بیانی ہے:

ولعل بعض من یتسع فی العلم ولم یعرف مقادیر الکلم یظن انا قد تکلفنا له من الامتداح والتشریف ومن التزیین والتجوید ما لیس عنده ولا یبلغه قدره کلا والذی حرم التزید علی العلماء و قبح التکلف عند الحکماء و بهرج الکذابین عند الفقهاء، لا یظن هذا الا من ضل سعیه (۱۰)

(اور شاید کوئی شخص جو وسیع المطالعہ ہو مگر سخن شناس نہ ہو یہ خیال کرے کہ ہم نے رسول اللہ کے لیے تکلف و مدح سرائی اور تحسین و مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے جس کے معاذ اللہ وہ مستحق نہیں، تو ہرگز ایسا نہیں ہے اور اس ذات کی قسم جس نے علماء پر مبالغہ، حکماء پر تکلف حرام کیا ہے اور فقہاء کے نزدیک کذابین کو نامعتبر ٹھہرایا ہے، ایسا خیال کوئی بدبخت و نامراد ہی کر سکتا ہے۔)

بلاغت نبویہ عربی ادب کے چند ممتاز ماہرین کی نظر میں

عربی ادب کی طویل تاریخ اس کی گواہ ہے کہ اس کے ہر دور میں ماہرین عربیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقابل تقلید و غیر معمولی فصاحت و بلاغت کو کلام الٰہی کے بعد دوسرے اور کلام انسانی میں سب سے پہلے درجے پر رکھا ہے اور اس لسانی حقیقت پر تقریباً ان کا اتفاق ہے، اگر عربی زبان و ادب کے تمام ماہرین کے وہ اعترافات جمع کیے جائیں تو ان کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی، اس لیے ہم ان میں سے چند ممتاز ترین اہل نظر کے بیانات اور خدمات کی طرف صرف اشارہ ہی کر سکتے ہیں۔ علامہ جاحظ نے لکھا ہے کہ "محترم تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ

---

(۱۰) البیان والتبیین ۱۸/۲

بلیغ انسان کون تھا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" (۱۱)

جاحظ نے محمد بن سلام الجمحی (صاحب طبقات فحول الشعراء) سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

قال یونس بن حبیب ماجاءنا عن احد من روائع الکلام ماجاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲)

یونس بن حبیب کا کہنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اچھا کلام ہم نے کسی کا نہیں سنا۔

ابوالعباس المبرّد (م ۲۸۵ھ) نے (جو اپنے عہد کا امامِ نحو و ادب تھا اور جس کی کتاب الکامل فی اللغۃ والادب کو ابن خلدون (م ۷۳۲-۸۰۸ھ) ابن قتیبہ کی ادب الکاتب، جاحظ کی البیان والتبیین، ابو علی القالی کی النوادر کے ساتھ عربی ادب کے اصولِ اربعہ میں شمار کیا ہے) اپنی کتاب الکامل میں جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو فصاحت و بلاغت کے عمدہ نمونوں کے طور پر پیش کیا ہے جو اس کا عملی اعتراف کہا جا سکتا ہے، اس نے آپ کا وہ مشہور خطبہ بھی نقل کیا ہے جو خطبات جمعہ کی زینت بنتا ہے۔ (۱۳)

اندلس کا ممتاز عرب ادیب ابوحیان توحیدی قرآن کے بعد حدیث کی اہمیت کا اس طرح اعتراف کرتا ہے:

والثانی سنۃ رسول اللہ فانھا السبیل الواضح والنجم اللائح والقائد الناصح والعلم المنصوب والامم المقصود والغایۃ فی البیان والنھایۃ فی البرھان والمفزع عند الخصام والقدوۃ لجمیع الانام (۱۴)

اور دوسری چیز سنت رسول اللہ ہے جو ہمارے لیے کھلا راستہ، روشن ستارہ، قائد ناصح، علم بلند اور منزل مقصود ہے اور جو زبان و بیان کی غایت اور حجت و برہان کی انتہا ہے اور معرکہ کے وقت پناہ گاہ اور سب کے لیے ہادی و رہنما ہے۔

---

(۱۱) البیان والتبیین ۱/۳۱۴ (۱۲) ایضا ۲/۱۸ (۱۳) الکامل للمبرد ۱/۱۲۲ (بیروت طبع مکتبہ المعارف)

(۱۴) التوحیدی: البصائر والذخائر ۱/۸ بحوالہ التصویر الفنی فی الحدیث النبوی للصباغ ص۲۱ (بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

الشریف الرضی (م ۴۰۶ھ) نے 'المجازات النبویۃ' میں ۳۶۰ حدیثوں کی ادبی اہمیت سے تفصیلی بحث کی ہے۔ ابن رشیق (م ۴۶۳ھ) ادبی اہمیت کی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:

ومثل ھٰذا کثیر فی کلامهٖ ومَن اولی منه بالفصاحة واحق بالایجاز وقد قال اعطیت جوامع الکلمُ فهذا کلامہٗ فی نهایة البیان والایجاز(۱۵)	اور اس طرح فصاحت کی مثالیں آپؐ کے کلام میں بہت ہیں اور آپ سے بڑھ کر فصاحت و ایجاز کا حق دار بھی کون ہے کہ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ مجھے جوامع الکلم عطا ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ کلام فصاحت و ایجاز کی انتہا ہے۔

عبدالقاہر الجرجانی (م ۴۷۱ھ) نے اپنی کتاب اسرار البلاغہ میں بلاغت نبویہ کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ ابن الاثیر (م ۶۲۲ھ) نے 'المثل السائر' میں جوامع الکلم کی مستقل فصل قائم کی ہے۔ ابوہلال العسکری (م ۳۹۵ھ) ادب کی شاہکار حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد اس کے ایجاز کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

فمعانی هذا الکلام اکثر من الفاظه واذا اردت ان تعرف صحة ذلك فحلّلها وابنها بناءً اخر فانك تجد ها فی اضعاف هذه الالفاظ (۱۶)	کلام نبوی کے معانی اس کے الفاظ سے کہیں زائد ہوتے ہیں اگر آپ اس کی تصدیق چاہتے ہیں تو انھیں تحلیل کر کے دوسری ترکیب قائم کریں تو وہ ان الفاظِ نبویہ سے کئی گنا زیادہ الفاظ پر مبنی ہوگی۔

عصرِ حاضر میں بلاغت نبویہ کی طرف شاید سب سے پہلے توجہ دلانے والے شخص مشہور ادیب استاذ مصطفیٰ صادق الرافعی (م ۱۹۳۷ء) ہیں جنھوں نے 'اعجاز القرآن والبلاغة النبویة' میں اس سے مستقل بحث کی اور اعجاز قرآنی کے ساتھ ایجاز نبوی کی اہمیت بھی اجاگر کی، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"الفاظ نبوت اس قلب سے نکلے ہیں جو اپنے خالق کے جلال سے مبہوت ہے

---

(۱۵) العمدہ لابن رشیق ۱/۲۵۵-۲۵۳ بحوالہ التصویر الفنی للصباغ ص ۴۵

(۱۶) الصناعتین للعسکری ۱۷۸ بحوالہ التصویر الفنی للصباغ ص ۱۰۸

اور اسے اس زبان نے صیقل کیا ہے جس پر قرآنی حقائق نازل ہوئے تھے، وہ اگرچہ وحی نہیں لیکن اسی راستے سے آتے ہیں اور اگر قرآن ان کی دلیل نہیں تو وہ قرآن کی دلیل ضرور ہیں، اس کی کڑیاں باہم مربوط ہیں کہ کوئی کڑی الگ نہیں اور اس میں ایک کلمہ بھی بے ضرورت نہیں۔ اپنے اختصار اور افادہ کے اعتبار سے گویا وہ ایک قلب گویا کی بولتی دھڑکنیں ہیں۔" (۱۷)

عباس محمود العقاد (م ۱۹۶۴ء) نے 'عبقریۃ محمدؐ' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبقری فصاحت سے بھی بحث کی ہے۔

عربی ادب کے مورخ احمد حسن زیات نے 'وحی الرسالۃ' میں احادیث نبویہ کے تمام پہلوؤں سے بحث کی ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ولکن احادیث الرسولؐ وان کانت فیض الخاطر وعفو البدیھۃ یبدو علیھا اثر الالھام وسمۃ العبقریۃ وطابع البلاغۃ واسلوبھا اقرب الی عصر النبوۃ منہ الی اسلوب القرآن۔"(۱۸)	احادیث رسولؐ اگرچہ فیضان قلب اور بداہت کا نتیجہ ہیں مگر ان میں الہام کا اثر، عبقریت کا انداز اور بلاغت کا رنگ موجود ہے اور ان کا اسلوب قرآن سے زیادہ عصر نبوت سے قریب ہے۔

دوسرے لوگوں میں عبد الرحمٰن عزام نے 'بطل الابطال' میں، مصطفی الزرقا نے 'فی الحدیث النبوی' میں، ڈاکٹر بکری شیخ امین نے ادب الحدیث النبوی میں، ڈاکٹر عز الدین السید نے 'الحدیث النبوی' میں اور ڈاکٹر عبد المجید محمود نے 'امثال الحدیث' میں حدیث کی ادبی و معنوی اہمیت سے بحث کی ہے مگر استاذ محمد بن لطفی الصباغ نے اس موضوع پر دو اہم کتابیں لکھیں پہلے 'الحدیث النبوی، مصطلحہ بلاغتہ کتبہ' اور پھر التصویر الفنی فی الحدیث النبوی' ان دونوں کتابوں میں انھوں نے حدیث نبوی کی ادبی و معنوی اہمیت کے متعدد پہلوؤں سے مدلل انداز میں بحث کی ہے اور بالآخر

---

(۱۷) اعجاز القرآن للرافعی ۲/۳۱۲ بحوالہ التصویر الفنی للصباغ ص ۶۸ (۱۸) فصاحت نبوی از ڈاکٹر اظہر ص ۲۳۳

یہ اعتراف کیا ہے کہ:

الحدیث النبوی نص ادبی فی الذروۃ من البیان ولا یرتفع فوقہ فی مجال الادب الرفیع الا کتاب اللہ بلاغۃ وفصاحۃ وروعۃ (۱۹)

حدیث نبوی ایک اعلیٰ درجے کا ادبی متن ہے اور ادب عالی کے میدان میں بلاغت وفصاحت اور حسن بیان میں صرف قرآن ہی اس سے فائق ہے۔

ہم بڑی قدر اور تحسین کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ اردو میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے پروفیسر ظہور احمد اظہر نے "فصاحت نبوی" کے عنوان سے ایک فاضلانہ کتاب لکھ کر بڑی حد تک اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ (۲۰)

حدیث نبوی کے فکری و انقلابی پہلو پر توجہ کی ضرورت

حدیث کے ادبی و فنی پہلو سے بحث کرتے ہوئے ہمیں اس کے فکری و معنوی، انقلابی و تعمیری کردار کی اہمیت کے سمجھنے پر بھی زور دینے کی ضرورت ہے کہ اس نے اسلامی معاشرے کی تعمیر میں قرآن کے بعد سب سے اہم رول ادا کیا ہے، قرآن کی طرح اس نے بھی بہت سے علوم و فنون کی داغ بیل ڈالی ہے جیسے تفسیر، فقہ و کلام، فن رجال، غرائب لغات، اسناد و تاریخ وغیرہ۔

کلام الٰہی کی طرح حدیث نبوی کی اہمیت و معنویت بھی جامع و ہمہ گیر ہے یعنی وہ صرف لسانی و بیانی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ معنوی و فکری لحاظ سے بھی بہت اہم ہے، اس نے صرف فصاحت و بلاغت کے دریا ہی نہیں بہائے بلکہ اخلاق و حکمت، عبرت و نصیحت، دین و مذہب، سیاست و معاشرت اور تہذیب و ثقافت کے لعل و جواہر بھی عطا کیے ہیں جن سے حیات و کائنات کو نئی قدر و قیمت اور معنویت ملی ہے اور انسانیت کو رہبر اصول حاصل ہوئے ہیں۔

---

(۱۹) التصویر الفنی فی الحدیث النبوی ص ۲۰ (بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

(۲۰) فصاحت نبوی از ڈاکٹر اظہر (دہلی ۱۹۸۸ء)

اور پھر ان اصول کی اہمیت اس طرح اور بڑھ جاتی ہے کہ وہ صرف نظری نہیں بلکہ عملی ہیں اور ان کے کہنے والے کی زندگی خود ان کا عملی نمونہ ہے اور جو تعمیر سیرت اور کردار سازی کے تمام ضروری عناصر اپنے اندر سمیٹے اور سموئے ہوئے ہے جن کا عملی مظاہرہ اولین اسلامی معاشرہ کے افراد کی مثالی اور پاکیزہ زندگی میں ہو چکا ہے اور جن کی مردم سازی و آدم گری کی لافانی صلاحیت اب بھی قائم و دائم ہے۔

ہمیں اس طرح بھی غور و فکر کرنا چاہیے کہ احادیث نبویہ کن حقائق و دقائق، رموز و نکات اور انقلاب انگیز افکار و خیالات پر مشتمل ہیں اور وہ درِ شاہوار قلب نبوت کی کن گہرائیوں اور شریفانہ احساسات و جذبات کے کس چشمۂ صافی سے ظاہر ہوئے ہیں، اس طرح ہم دیکھیں گے کہ دیگر ادیبوں اور فن کاروں کی طرح ان میں صناعی اور فنی کاری گری کا عمل نہیں بلکہ وہ سادگی و بے ساختگی، بے تکلفی و برجستگی، اخلاص و ہمدردی، انسانیت کی خیر خواہی و خیر اندیشی، انسانی نجات کی انتہائی خواہش، فلاح انسانیت کے لیے سوز و گداز، کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے آخری درجے کی بے چینی و بے تابی اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کے ناقابل تسخیر جذبے اور ناقابل بیان فکر و دردمندی کا نتیجہ اور نمونہ ہیں، اس لیے ان میں حد درجہ کی قوت تاثیر بلکہ قوت تسخیر نظر آتی ہے اور اسی لیے انھوں نے قلب نبوت سے نکل کر اپنے اولین سامعین، صحابہ و تابعین کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی اور ان کے ذہن و ضمیر، فکر و نظر، احساس و وجدان اور زندگی میں ایک تعمیری انقلاب برپا کر دیا بلکہ انھیں مجسم انقلاب اور فکر و عمل کا اعلیٰ نمونہ اور مثالی پیکر بنا دیا ؂

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اگر مورخین اور سماجی مفکرین انسانی اصلاح و تعمیر کی تاریخ کا اس طرح جائزہ لیں کہ کن عالمی ہستیوں نے اپنے فکر و عمل سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متاثر کیا ہے اور بڑے انسانی معاشروں اور تاریخ کے طویل فاصلوں پر اثر انداز ہوئی ہیں اور تہذیب انسانی کی تاریخ میں انقلابی و تعمیری افکار و اقدار اور شرافت و اخلاق کے اعلیٰ معیار عطا کیے ہیں تو "The Hundred" کے مصنف مائکل ہارٹ کی طرح یقیناً وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ صاحب جوامع الکلم اور

نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال زرّیں اور اخلاق حسنہ کے ذریعے تاریخ انسانیت میں انسانوں کے سب سے بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے اور ان کی سنت و سیرت نے اقوام و ملل کی سب سے بڑی تعداد کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا ہے۔

احادیث نبویہ کا تاریخی و معاشرتی مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح ان جامع تعلیمات نے ایک بدوی اور جاہلی معاشرے کو دنیا کی مہذب و شریف، با اخلاق و باکردار قوم اور فکر و عمل کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کی حامل امت بنا دیا اور مثالی اقدار و معیار کو متعارف کر کے تعمیر زندگی، فلاح انسانیت، کردار سازی و آدم گری کا کیسا شریفانہ انسانی و اخلاقی کرشمہ و کارنامہ انجام دیا جس کا پیغام ابدی و سرمدی ہے اور جو قیامت تک اخلاق و انسانیت کے جویاؤں اور طلب گاروں کو فیضان و وجدان عطا کرتا رہے گا ؎

سالہا گوشِ جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبد افلاک زدیم

فضل الرحمٰن انصاری
اڈیٹر "بنکر پروکنا" لکھنؤ

کلامِ نبوت میں انسانی جذبات کی عکاسی

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی کے بعد کائناتِ ارضی وسماوی میں رہتی دنیا تک جس کا نام نامی سب سے زیادہ گونجتا رہے گا وہ ہے ذات گرامی محمدؐ!

محمدؐ جس نے کھوئی ہوئی انسانیت کو تلاش کیا، اس کے چہرے اور قلب وضمیر کی تہ بہ تہ گرد جھاڑی، اسے ایک خوبصورت اور حسین قالب میں ڈھالا اور پھر اسے ایک نئی معراج عطا کر دی اور جہاں اس نے ایمان، عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ صالحہ کی جانب بھٹکتی انسانیت کا رخ موڑ کر دنیا میں ایک عظیم الشان اور پُرامن انقلاب برپا کیا وہیں اس نے اپنے اُسوۂ حسنہ، گفتار وکردار اور حرکات وسکنات کو بھی دنیائے انسانیت کے لئے مشعلِ راہ بنا دیا جن میں انسانی احساسات وجذبات کی بھی بھرپور عکاسیاں موجود ہیں۔

بیک وقت نبوت اور انسانیت کے دو عظیم الشان اور جلیل القدر منصب پر فائز رہ کر دونوں ہی ذمہ داریوں کے تمام تر تقاضوں کو تکمیل تک پہونچا دینا یہ کسی معمولی انسان کے بس کی بات نہ تھی بلکہ اسے تو وہی انجام دے سکتا تھا جس نے انسانیت اور انسانی کردار کی بذات خود اپنے اُسوۂ حسنہ کے ذریعہ تعمیر کی ہو اور پھر اس کی صحیح رہنمائی کے لئے اپنے انسانی احساسات وجذبات کو بھی اُس میں شامل کر دیا ہو۔

کتب احادیث (یعنی کلام نبویؐ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے جن مختلف اور ہمہ گیر پہلوؤں کا عکس ملتا ہے ان میں ادب، جامع ومانع کلام تمثیلات

ومحاورات اور نفسیاتی اظہار کے ساتھ ہی وہ پہلو بھی حد درجہ نمایاں ہے جن کا تعلق خالص انسانی احساسات وجذبات سے ہے۔

نبی اُمّیؐ جہاں ساری دنیا کے رہبر اور امام تھے وہیں ایک شریف انسان کے بیٹے اور پوتے بھی تھے، وہ جہاں ایک شفیق باپ تھے وہیں کسی کے بھتیجے، کسی کے داماد اور کسی کے خسر بھی تھے، آپؐ کے سینۂ مبارک میں بھی ایک انسانی دل دھڑک رہا تھا جو زندگی کے مختلف موڑ اور موقعوں پر فطرتِ انسانی اور اس کے جذبات واحساسات کی عکاسی بھی کیا کرتا تھا جس کی جھلک کلام نبویؐ میں متعدد اور مختلف مقامات پر ملتی ہے۔

معرکۂ بدر میں جو مشرکین قیدی بنا کر مدینے لائے گئے تو ان سبھی کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ انھیں اسیرانِ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ مسجد نبوی کے پاس ہی ایک کوٹھری میں پڑے قیدیوں کی شدّت درد سے کراہنے کی بار بار جو آوازیں آرہی تھیں ان میں چچا عباسؓ کی بھی آواز شامل تھی جو رہ رہ کر نبی اکرمؐ کے جذبات واحساسات کو جھٹکے دیتی رہی اور اس کے سبب آپؐ کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ اسی عالم میں بار بار کروٹیں بدلنے اور بےچینی کے اظہار نے صحابہ کرامؓ کے احساس کو بھی جھنجھوڑا تو دریافت کیا گیا "اے اللہ کے رسولؐ! آخر اس بےچینی کا سبب کیا ہے؟" ــــ فرمایا مجھے چچا عباس کا کرب سونے نہیں دے رہا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کیا ان کے بندھیلے کر دیئے جائیں؟

فرمایا اگر کرنا ہی ہے تو پھر سبھی قیدیوں کے بندھیلے کئے جائیں۔ یہ خالص ایک جذبۂ انسانی اور فطری احساس تھا جو چچا اور بھتیجے کے رشتے سے مربوط تھا جو آپؐ کی بےچینی کا سبب بن گیا۔ (پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۲۴-۲۲۵)

انھیں اسیرانِ بدر میں آپ کے داماد ابوالعاص بھی شامل تھے اور جب فدیہ ادا کر کے اسیرانِ بدر کی رہائی کی تجویز پاس ہوگئی تو رسول رحمتؐ کی لاڈلی بیٹی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے بطور فدیہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ ہار ہی بھیجدیا جو بوقت رخصتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ مرحومہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کو دیا تھا۔

بیٹی کا یادگاری ہار جو ہی نظروں کے سامنے آیا تو چشم مبارک سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔

ایک طرف جہاں شفیق باپ کے قلب پر بیٹی کی غربت اور بے سروسامانی کے احساس نے کچوکا لگایا وہیں انتہائی نازک دور میں ہر قدم پر ساتھ دینے والی مرحومہ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ کی مفارقت کا غم بھی تازہ ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احساسات وجذبات کی عکاسی یوں فرماتی ہیں:

فلما رآها رسول الله صلی الله علیه وسلم رق لها رقة شدیدة قال ان رأیتم ان تُطلقوا اسیرها وتردّوا علیها الذی لها، فقالوا نعم وكان النبی صلی الله علیه وسلم أخذ علیه ان یخلی سبیل زینب الیه وبعث رسول الله صلی الله علیه وسلم زید بن حارثه ورجلا من الأنصار فقال كونا ببطن یاجج حتی تمر بكم زینب فتصحبا ها حتی تاتیا بها۔

کچھ بھی ہو لیکن کائنات کے اس افضل ترین انسان نے عدل وانصاف اور مساوات کے ترازو میں کبھی کسی موڑ پر جھکاؤ نہیں آنے دیا کیونکہ آپؐ ایک نبی برحق تھے لیکن چونکہ نبی ہونے کے ساتھ ہی آپؐ کے سینے میں ایک دردمند باپ کا دل بھی دھڑک رہا تھا اس لئے جب آپؐ اُن جذبات پر قابو نہ پاسکے تو آپؐ کو صحابہ کرامؓ سے یہ کہنا پڑا کہ ممکن اور مناسب ہو تو زینبؓ کے قیدی کو چھوڑ دو اور زینب نے بطور فدیہ جو کچھ بھیجا ہے اسے لوٹا دو لیکن اسی کے ساتھ ترازوئے عدل کو کسی ایک جانب جھکنے بھی نہیں دیا اور ابوالعاص کو اس شرط پر رہا فرمایا کہ وہ نبیؐ کی بیٹی کو نبیؐ کے گھر بھیج دیں اور خود اپنے گھر چلے جائیں۔ (مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص۵۵۷)

اسلام میں فوج در فوج داخلے کا دور جب شروع ہوا تو اسی دور میں آپؐ کے پیارے اور شفیق چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوا اور ان صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت میں شامل ہو گیا جن کے بارے میں آپؐ کا یہ کھلا اعلان تھا کہ...

..... أصحابی كالنجوم الله الله لا تتخذ وهم غرضا من بعدی فمن احبهم

فبحبی أحبهم ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم ومن آذاهم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ یوشك أن یأخذہ۔

(بخاری شریف (۲) فی مناقب الصحابۃ)

یعنی میری نظر میں میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں میرے بعد ان پر کوئی کسی طرح کا کیچڑ نہ اچھالے کیونکہ جس نے ان سے محبت کا ناطہ رکھا گویا اس نے مجھ سے محبت کا رشتہ جوڑ لیا اور جس نے ان سے عداوت اور بیر رکھی اس نے مجھ سے عداوت کی اور جس نے میرے صحابہ کو اذیت پہونچائی گویا اس نے مجھے ٹھیس پہونچائی اور جس نے مجھے تکلیف دی یوں سمجھ لو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہونچائی اور جب ایسا ہو تو پھر قریب ہے کہ اللہ اس کی شدید گرفت کرے۔

ایک طرف یہ حد درجہ عقیدتمندانہ اعلان اور دوسری جانب آپؐ کا یہ فرمان کہ..... الاسلام یھدم ماکان قبلہ (حدیث) یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کی ہوئی بداعمالیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایمان لانے اور حلقۂ نجوم میں شامل ہو کر مذکورہ بالا اعلانات کے تحت حضرت وحشیؓ کو بھی تو ایک صحابی ہونے کے ناطے اُفقِ رسالت مآبؐ پر دیگر صحابہ کرام کی طرح چمکنے کا حق حاصل تھا لیکن نبیِ رحمتؐ کے دل میں شدید احساس کا کوئی ایسا جھٹکا تھا جس نے آپؐ کو وحشی سے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ..... ھل تستطیع ان تغیب وجھك عنی

(بخاری شریف جلد دوم ص۵۸۳)

کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ میرے سامنے آنے سے گریز کرو؟

معرکۂ احد میں محبوب چچا کے بے دردانہ قتل اور کلیجہ تک چبا ڈالنے کے وحشیانہ عمل کے شدید احساسات نے جذبات کی شکل میں ہی حضرت وحشیؓ کو اپنی نگاہِ رحمت سے اوجھل رہنے کا حکم دیا تھا۔

بات کوئی معمولی نہیں تھی کیونکہ چچا کی لاش کی تلاش میں آپؐ بذات خود نکل پڑے تھے اور جب بطن وادی میں انتہائی کٹے پھٹے اور مثلہ شدہ حالت میں چچا کی لاش نظر آگئی تو آپؐ شدت غم سے نڈھال ہو گئے اور پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ (زاد المعاد جلد دوم ص۹۵)

اس حدیث کے مطابق اس دردناک موقع پر آپ کی زبان مبارک سے جو جذباتی کلمات صادر ہوئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ میری پھوپھی صفیہؓ بہت روئیں گی اور میرے بعد یہ چیز سنت بن جائے گی تو میں حد درجہ مسخ شدہ لاش کو یونہی میدان میں چھوڑ کر چلا جاتا تاکہ باقیماندہ جسم کو درندو پرند اپنی خوراک بنا لیتے اور اگر اللہ نے مجھے کبھی قریش پر غلبہ عطا کیا تو چچا کے بدلے ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔

یہ کلمات فرط غم اور فرط جذبات میں آپؐ کی زبان مبارک سے نکل پڑے تھے لیکن اس کے بعد ہی زبان وحی سے نکلے کلمات نے رسالت مآبؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جذباتی کلمات پر قابو پا لیا اور آپؐ کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا گیا۔

کسی اتار چڑھاؤ، حادثات یا دکھ درد کے نتیجہ میں عام انسانوں پر احساس کے جو شدید جھٹکے پڑتے ہیں ایسے ہی جھٹکے آپؐ کی طبع نازک پر بھی پڑتے رہے۔

ایسا ہی ایک موقع تھا جب نبی رحمتؐ کی نظر عرب کے اس خوبصورت اور نازک مزاج نوجوان حضرت مصعب بن عمیرؓ پر پڑ گئی جو ایک رئیس باپ کے بیٹے ہونے کے ناطے اسلام لانے سے قبل انتہائی خوش عیشی اور خوش پوشی کے دن کاٹ چکے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رئیس زادے کے جسم پر جب ایک انتہائی خستہ و شکستہ چادر دیکھی جسے انھوں نے اپنی گردن سے باندھ کر لٹکا رکھا تھا اور جس پر چمڑے کی متعدد پیوندیں لگی ہوئی تھیں تو اس موقع پر بھی شدّت احساس اور جذبۂ انسانی کے سبب آپ تڑپ اٹھے اور بے اختیار آپ کی چشم مبارک سے آنسو نکل پڑے۔

مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص۱۶۳ میں محمد بن کعبؓ قرظی سے جو روایت منقول ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانی احساسات و جذبات کا عکس یوں ملتا ہے۔

عن محمد بن کعب القرظی قال حدثنی من سمع علی بن ابی طالب قال انا لجلوس مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فاطلع علینا مصعب بن عمیر ما علیہ الا بردۃ لہ مرقوعۃ بفرو فلما راٰہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکی للذی کان فیہ من النعمۃ والذی ھو فیہ الیوم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف بکم

اذا غدا احدکم فی حلۃ وراح فی حلۃ ووضعت بین ایدیہ صفحۃ ورفعت اخری و ستر تم بیوتکم کما تستر الکعبۃ فقالوا یا رسول اللہ نحن یومئذ خیر منا الیوم نتفرغ للعبادۃ وتکفی المؤنۃ قال لا انتم الیوم خیر منکم یومئذ۔

مصعب بن عمیرؓ کو دیکھ کر رونے کے پس منظر میں بھی وہی احساس اور جذبہ کارفرما رہا جو ایسے مواقع پر کسی انسانی قلب وضمیر پر طاری ہوا کرتا ہے۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ اس بات پر ہوا کہ حضرت مصعبؓ کا شاندار اور پرکیف ماضی حال کی شکستگی میں کس طرح گم ہو کر رہ گیا ہے کہ اطلس وحریر پہننے والا نوجوان آج اپنے جسم کو صرف ایک پھٹی پرانی چادر سے ڈھکے ہوئے ہے۔

اسی کے ساتھ آنے والے دور میں آپ کی چشم بصیرت جب مسلمانوں کی خوش عیشی اور حد درجہ فارغ البالی پر پڑی تو اس پر بھی آپؐ کے احساس نے ایک جھٹکا محسوس کیا۔

آپؐ نے فرمایا مسلمانوں! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں سے ایک شخص صبح کو جو لباس پہنے گا شام کو اسے تبدیل کر دے گا اور اس کے سامنے دسترخوان پر ایک طشت سجایا جائے گا تو دوسرا اٹھایا جائے گا اور تب تم اپنے گھروں پر بھی ایسے پردے لگاؤ گے جس طرح کعبہ شریف پر لگایا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ اس دن تو ہم آج سے بہتر ہی ہوں گے کیونکہ سامان معیشت افراط ہوگا اور خوب جم کر عبادت وریاضت ہوگی، فرمایا نہیں آج تم اس دن سے بہتر ہو۔

امت کے حال اور مستقبل کی فکر کے بیچ بھی یہ ایک نازک احساس تھا جس کے سبب آپؐ پر رقت طاری تھی۔

آپؐ کی گھریلو زندگی میں بھی آپؐ کے نازک احساسات وجذبات کے جو عکس عموماً نمایاں ہوتے رہے ان کا اندازہ آپ ان احادیث سے لگا سکتے ہیں۔

عن بریدۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطبنا اذ جاء الحسن والحسینؓ علیہما قمیصان احمران یمشیان ویعثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر فحملہما ووضعہما بین یدیہ ثم قال صدق اللہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ نظرت الی ہذین الصبیین یمشیان ویعثران فلم اصبر حتی قطعت

حدیثی ورفعتهما۔ (مشکوٰۃ جلد دوم ص۲۵۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطاب فرمارہے تھے کہ اچانک نواسۂ رسولؐ حضرت حسنؓ اور حسینؓ وہاں دوڑتے لڑکھڑاتے پہونچ گئے اور اس وقت یہ دونوں سرخ قمیص میں ملبوس تھے۔ آپؐ نے انھیں دیکھا تو خطبہ بند کر منبر سے اتر پڑے دونوں کو اٹھایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھ لیا پھر فرمایا..... اللہ نے درست فرمایا ہے کہ تمھارے مال و اولاد فتنہ ہیں۔

دیکھو لڑھکتے دوڑتے میری نظران دونوں بچوں پر پڑی تو میں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا اور مجھے اپنی بات روک کران دونوں کو اٹھانا پڑا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے کسی حصے میں نکلا یہاں تک کہ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تک پہنچ گئے اور پھر آپؐ نے ان سے پوچھا..... ارے وہ پاجی مُنّا کہاں گیا، ابھی کچھ وقفہ نہ گذرا تھا کہ حضرت حسنؓ دوڑتے ہوئے آئے اور پھر نانا اور نواسے دونوں ہی ایک دوسرے کی گردن سے لپٹ گئے۔

حضرت حسنؓ کی تلاش کے وقت فاطمہؓ سے آپؐ کا سوال یہ تھا..... اثم لکع اثم لکع۔ ارے وہ چلبلا مُنّا کہاں ہے اور جب حسنؓ مل گئے تو انھیں پیار سے چپٹا کر دعا فرمائی.......

اللهم انی اُحبه فاحِبَّه وَاَحِبَّ من یحبه۔

اے اللہ میں اسے پیار کرتا ہوں تو بھی اسے اپنا محبوب بنالے اور اس شخص کو بھی اپنا محبوب بنا جو حسن سے پیار کرتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی کا بچہ جاں کنی کے عالم میں تھا آپ کے پاس خبر پہونچی تو فرمایا میری بیٹی سے کہدینا کہ..... ان لله ما اخذ وما اعطی وکل شئ عنده بأجل مسمی فلتصبر لتحتسب۔ یعنی اللہ نے جو دیدیا اور جو لے لیا سب اسی کا ہے اس لئے اسے صبر کرنا اور اللہ سے اجر کی امید وابستہ کرنا چاہئے لیکن جب صاحبزادی نے آپ کی تشریف آوری پر اصرار کیا تو آپ تشریف لے گئے، بچے کو گود میں اٹھایا اور پھر بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

چونکہ ابھی کچھ دیر قبل ہی آپؐ اپنی بیٹی کو صبر و ضبط کی تلقین فرما چکے تھے اس لئے حضرت سعدؓ نے آپؐ سے پوچھ لیا..... اے اللہ کے رسولؐ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟

فرمایا..... ھذہ رحمۃ جعلھا اللہ تعالیٰ فی قلوب عبادہ۔

اے سعد! یہ رحمت اور رافت کا وہ نرم گوشہ ہے جسے اللہ نے اپنے ہر بندے کے دل میں ڈال رکھا ہے۔

یہ خالص ایک فطری اور انسانی جذبہ تھا جو آنسوؤں کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر مذکورہ بالا کلمات کی صورت میں ڈھل گیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ.....

" فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی و فی روایۃ یریبنی ما اراھا ویؤذینی ما آذاھا۔

یعنی فاطمہؓ میری لخت جگر ہیں پس جس نے ان سے بیر رکھی اس نے مجھ سے بیر رکھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے..... جس چیز سے فاطمہ کو دکھ ہوتا ہے۔ اس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے (مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۲۵۴)

حضرت حسنؓ و حسینؓ کے تئیں آپؐ کے قلب مبارک میں جو نازک احساسات و جذبات موجزن تھے انھیں آپؐ نے یہ کہہ کر صرف ایک جملے میں ظاہر فرما دیا..... ھما ریحانتیّ من الدنیا۔ یعنی یہ دونوں بچے میرے لئے دنیا میں پھولوں کے گلدستے ہیں۔

(مشکوٰۃ جلد دوم ص ۲۵۶)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں بالکل گھل مل کر رہا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میرے ایک چھوٹے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از راہِ مذاق چھیڑتے اور فرماتے..... یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ یعنی ابو عمیر تمھارا طوطہ یا بلبل کہاں چلا گیا۔ انھوں نے ایک طوطا یا بلبل پال رکھا تھا جو مر گیا تو آپؐ نے ابو عمیر کو ان الفاظ کے ساتھ چھیڑا۔

(مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۱۳۰)

مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کے وقت بار بار ارضِ مکہ اور حرم پاک کی جانب مڑ مڑ کر دیکھنا

اور یہ فرمانا کہ اے ارضِ مکہ مجھے تجھ سے بیحد پیار ہے لیکن تیرے باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ ان گہرے تاثرات کا تعلق بھی اسی احساس اور جذبۂ انسانی سے ہے جس کا عکس آپؐ کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں میں کہیں نہ کہیں آپ کو نظر آئے گا۔

آپؐ کی ۶۳ سالہ حیات طیبہ کے مختلف موڑ اور مواقع ان جیسے انسانی احساسات وجذبات سے بھرے پڑے ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

بس اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ایک ایسے خوفناک اور بھیانک دور میں جب کوئی انسان انسانیت کی شکل تک نہ پہچانتا تھا ایسے دور میں آپؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے انسانی شعور کو بیدار کرکے جو عظیم احسان فرمایا ہے ساری دنیائے انسانیت مل کر بھی قیامت تک اس محسنِ انسانیت کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔

کیونکہ آپؐ کے جذبات ومحسوسات بھی دنیا کے لئے ایک رہنما علامات کے بطور تھے جنھیں دیکھ دیکھ کر انسانوں نے انسانیت کے گر سیکھ لئے۔ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔

ورنہ اس کے قبل تو سارے لوگ کھلی گمراہی کی وادیوں بھٹک رہے تھے۔

شعری حصہ

پروفیسر ابو محفوظ الکریم معصومی

أدَب الحَديثُ النبّويُ

مايصلح الزاد للعقبى، هوالأدب
فلا اللجين يساويه ولاالذهبُ
دع المجون ولاتبغ الخلاعة، يا
فتى، فإن فنون الزيغ مختلبُ
واستعصمن بكتاب الله مبتغيا
هدى من الله أنّى عشتَ تترُبُ
أماالحديث فتعطيناجوامعه
أسنى الاساليب حلوادونه الضربُ
هَدى الرسالة نورلاانطفاءله
تصاغرت دونه الشهب
"ان الرسول لنور يستضاء به"
فى كل ناد وواد حيث تنقلب

منظوم اردو۔ پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی
شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

ادب الحدیث الشریف

ادب وہی ہے جو آرائش مآل بنے
جو سیم و زر سے سوا موجبِ کمال بنے
فجور و فسق سے پرہیز تجھ پہ لازم ہے
مرے عزیز! یہ طے کر، کہ خوش خصال بنے
خدا کی رسّی پہ تیری گرفت ہو مضبوط
یہی ہے راہِ ہدایت جو تیرا حال بنے
حدیثِ پاک سے اپنا کلام صیقل کر
جو ہر مقال سے بڑھ کر کے خوش مقال بنے
چراغ ایسا کہ پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا
اثر سے اس کے خزف، گوہر جمال بنے
یہ نقش پائے نبوت کا فیض ہے ہر سو
تمام دشت و دمن کھل اٹھے، نہال بنے

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی
شعبۂ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی
(یو پی)

حدیثِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

روحِ دیں قرآن ہے اور دل حدیثِ مصطفےٰ
غور سے پڑھ غور سے غافل حدیثِ مصطفےٰ

اصل میں ہے جوہرِ قابل حدیثِ مصطفےٰ
شارحِ ماضی و مستقبل حدیثِ مصطفےٰ

ماحیِ بدعات و باطل مانتے ہیں ہم اسے
درحقیقت حق سے ہے واصل حدیثِ مصطفےٰ

رہبری کے واسطے قرآں اگر ہے آفتاب
شرحِ دیں میں ہے مہ کامل حدیثِ مصطفےٰ

جو محاسن بھی سخن کے ہیں ادب میں لازمی
بالیقیں ان سب کی ہے حامل حدیثِ مصطفےٰ

کاروانِ زیست کی رہبر تو ہے اُمّ الکتاب
ہے اسی کا اک حسیں محمل حدیثِ مصطفےٰ

دوں اگر تشبیہ قرآں کو بہ رخسارِ جمیل
تو اسی رخسار کا ہے تل حدیثِ مصطفےٰ

اک سمندر ہے یہ علمِ سیرت و تفسیر و فقہ
اور ہے اس بحر کا ساحل حدیثِ مصطفےٰ

ہر مؤرخ، ہر مفسّر اور ہر سیرت نگار
کاوشوں میں سب کی ہے شامل حدیثِ مصطفےٰ

اس کا اک اک حرف آساں ہے بشرطِ ذوق و شوق
کون کہتا ہے کہ ہے مشکل حدیثِ مصطفےٰ

پوچھئے ہم سے کہ ہم ہیں اہلِ قرآن و حدیث
کس قدر عظمت کی ہے حامل حدیثِ مصطفےٰ

کون جانے کس قدر محبوب ہے عند الرسولؐ
جو سناتا ہے سرِ محفل حدیثِ مصطفےٰ

چھ کتابیں جن کو اہلِ حق سمجھتے ہیں صحاح
ہے انھیں پر مشتمل اے دل حدیثِ مصطفےٰ

مالک و احمد، بخاری، مسلم و ابنِ شہاب
ہر محدّث کی رہی منزل حدیثِ مصطفےٰ

بالتّواتر ہو، خبر واحد ہو یا مشہور ہو
جس طرح کی بھی ہو کر حاصل حدیثِ مصطفےٰ

ہر رگ و پے میں مرے آیاتِ قرآنی کے ساتھ
ہے طفیلؔ بے نوا داخل حدیثِ مصطفےٰ

ادبی ترجمہ کا انعامی مقابلہ

عالمی رابطۂ ادب اسلامی (برصغیر و ممالک مشرقیہ) نے فیصلہ کیا ہے کہ عربی ادبیات کے اردو ترجمہ کا ایک انعامی مقابلہ منعقد کیا جائے جس کے انعام کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

پہلا انعام	دس ہزار روپئے	۱۰۰۰۰/-
دوسرا انعام	ساڑھے سات ہزار روپئے	۷۵۰۰/-
تیسرا انعام	پانچ ہزار روپئے	۵۰۰۰/-

موضوعات :

۱ ۔ عربی افسانوں یا ڈراموں کے کسی ایک مجموعہ کا یا کسی ایک عربی ناول کا ترجمہ
۲ ۔ تنقید کی کسی عربی کتاب کا ترجمہ ۔ ۳ ۔ کسی عربی شعری مجموعہ کا ترجمہ ۔

شرائط :

۱ ۔ جن اہلِ ادب کی کتابوں یا مجموعوں کا ترجمہ کے لئے انتخاب کیا جائے وہ معروف ادبی حیثیت رکھتے ہوں ۔
۲ ۔ یہ کتابیں یا مجموعے اسلامی روح کے منافی نہ ہوں ۔ ۳ ۔ ترجمہ کی زبان ادب کے معیار سے گری ہوئی نہ ہو ۔
۴ ۔ اصل مجموعہ یا کتاب سو صفحات سے کم نہ ہو ۔ ۵ ۔ اصل کتاب یا مجموعے کا پہلے ترجمہ نہ کیا گیا ہو ۔
۶ ۔ ترجمہ کا مسودہ وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء ہے ۔
۷ ۔ اس مقابلہ میں مدارس و جامعات کے اساتذہ اور منتہی طلبہ، ریسرچ اسکالرز اور علمی اداروں میں تحقیقی کام کرنے والے حضرات شریک ہو سکتے ہیں، شرکاء کو اپنے اداروں یا شعبوں کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا لازمی ہے ۔

تراجم کے معیار کی جانچ ایک بااختیار کمیٹی کرے گی، جس کا فیصلہ آخری اور لازمی ہوگا ۔

عالمی رابطۂ ادب اسلامی (برصغیر و جنوب مشرقی ایشیا)

کا

گیارہواں سیمنار

بہ عنوان

"ادب میں سفرناموں کی اہمیت"

بہ مقام اورنگ آباد (مہاراشٹر)

بتاریخ ۴/۵/۶ر نومبر ۱۹۹۴ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

منعقد ہوگا ۔

۱ ۔ قدیم مشہور تاریخی سفرنامے ۔ ۲ ۔ حج کے سفرنامے ۔ ۳ ۔ علمی، ادبی اور معلوماتی سفرنامے ۔

رابطۂ ادبِ اسلامی عالمی کے اغراض و مقاصد

رابطۂ ادبِ اسلامی عالمی مندرجہ ذیل مقاصد کو اپنا نصب العین سمجھتا ہے :۔

۱۔ ادبِ اسلامی کا فروغ اور اس کے قدیم و جدید خطّ و خال کو نمایاں کرنا۔

۲۔ نقدِ ادب کے اسلامی اصول کی ترتیب۔

۳۔ جدید ادبی اقسام مثلاً افسانہ، ناول اور سوانحی ادب کے لئے اسلامی ادبی معیار اور اصول متعیّن کرنا، اور ان تمام اقسامِ ادب کو اسلامی اصولِ فن کے دائرے میں لانا۔

۴۔ تاریخِ ادب اسلامی خاص طور پر اس کے نثری سرمایہ کی تاریخ کی ترتیب جدید، اور مؤرخین نے اس کے جن اعلیٰ نمونوں اور شاہکاروں کو نظر انداز کر دیا ہے، انھیں نمایاں کرنا۔

۵۔ قابلِ قدر اور دلکش ادبی تخلیقات اور نگارشات جو اسلامی ادباء کے جدوجہد کا نتیجہ ہیں، ان کی جمع و ترتیب، اور انھیں مختلف مسلم اور غیر مسلم اقوام کی زبانوں میں منتقل کرنا۔

۶۔ بچوں، نوعمر لڑکوں اور نوجوانوں کے ادب پر خاص توجہ دینا، اور اس ادب کے لئے اسلامی اصول و ضوابط کی تشکیل۔

۷۔ غیر اسلامی اور باطل ادبی تحریکات کا مقابلہ، اور ان کے عیوب و نقائص اور خطرات سے دوسروں کو آگاہ کرنا۔

۸۔ اسلامی ادب کے عالمی معیار کو واضح کرنے کے لئے مختلف ممالک کے اسلامی ادباء سے روابط بڑھانا، انھیں کلمۂ حق پر متحد ہونے اور آپس میں تعاون بڑھانے پر آمادہ کرنا، اس طور پر کہ وہ ایسی ادبی برادری بن جائیں، جن کا مطمحِ نظر با مقصد ادب اور کلمۂ طیّبہ ہو۔

۹۔ اسلامی ادباء کے مادّی اور معنوی حقوق کا دفاع، اور ان کے ادبی کام کی نشر و اشاعت کے لئے وسائل مہیا کرنا۔